صلح ۱۳۴۹ ہش

جنوری ۱۹۷۰ء

حضرت امیرالمؤمنین خلیفة المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعودؓ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ — ربوہ

خالد

جلد ۱۶ — شمارہ ۱

شوال المکرم ۱۳۸۹ھ ۔ صلح ۱۳۴۹ھش

جنوری سنہ ۱۹۷۰ء

قیمت سالانہ چھ روپے ۔ قیمت فی پرچہ: ۶۰ پیسے

(محمد شفیع قیصر پبلشر [illegible] چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دار الصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

ترتیب

★ نیا سال مبارک ہو!	(اداریہ)	۳
★ قال اللہ تعالیٰ		۵
★ قال الرسولؐ		۶
★ ملفوظات	حضرت مسیح موعود علیہ السلام	۷
★ نظم	حضرت مسیح موعود علیہ السلام	۸
★ خطاب	حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ	۹
★ تسخیر کائنات اسلام کے نقطۂ نظر سے	مکرم پروفیسر حبیب اللہ خانصاحب	۲۱
★ شعبہ صنعت و تجارت کا پروگرام	مکرم پروفیسر رفیق احمد صاحب ثاقب	۳۸
★ سالِ نَو (نظم)	مبارک احمد صاحب عابد ربانی	۴۲
★ زیارتِ قادیان	صالح محمد خان شاہد	۴۳
★ وقارِ عمل		۴۵
★ قراردادِ تعزیت		۴۶
★ ماہ صلح (جنوری) کے چند تاریخی واقعات	(م۔ک)	۴۷

اداریہ

نیا سال مبارک ہو!

ترقی کرنے والی قومیں مختلف ادوار میں سے گزرا کرتی ہیں۔ شمسی اور قمری سال بھی ترقیات کے زینے ہیں۔ جن کو رفتہ رفتہ طے کرنے کے بعد منزلِ مقصود تک پہنچنا ہوتا ہے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا قافلہ بھی خدا تعالےٰ کی خاص تائید و نصرت اور فضل و برکت کے سایہ تلے سوئے منزل رواں دواں ہے۔ اس قافلہ پر آفات کے بادل تو چھا سکتے ہیں۔ اسے مصائب کے طوفان تو گھیرے میں لے سکتے ہیں اسے آزمائش اور ابتلاء کی گھڑیاں تو درپیش ہو سکتی ہیں مگر بالآخر کامیابی و کامرانی اسکے حق میں مقدر ہو چکی ہے کوئی طوفانی موج اور کوئی طاغوتی طاقت اسے اسکے مقصدِ عظیم میں ناکام نہیں کر سکتی۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ — دنیا میں توحید باری تعالیٰ کا قیام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار۔ قرآنی تعلیم کا پرچار اور عَلمِ اسلامی کی سربلندی۔

گذشتہ سالوں میں بھی جماعت احمدیہ پر اللہ تعالےٰ کے بے شمار فضلوں اور رحمتوں کا نزول مشاہدہ کیا جاتا رہا ہے۔ جو اس رنگ میں بھی ہوتا رہا ہے کہ وہ رحیم اور قدردان خدا پہلے جماعت کو قربانیاں بجالانے کی توفیق دیتا رہا۔ پھر ان حقیر قربانیوں کو قبولیت کے شرف سے نوازتا رہا۔ بصیرت رکھنے والا انسان سمجھ سکتا ہے۔ کہ آج دنیا میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہونے کو ہے۔ امام الوقت سیّدنا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی ۲ر صلح کے خطبہ جمعہ میں سال نو کو بہت اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ اور اس سال کو جماعت احمدیہ کے لئے خاص خدائی فضلوں اور برکتوں کا سال قرار دیا ہے۔

لیکن یہ امر کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ خدائی فضلوں اور رحمتوں کے نزول کے وقت خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اس کی راہ میں پہلے سے بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ خدا کرے کہ سالِ نو ہمارے لئے بہت ہی مبارک ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پہلے سے بہت بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش کرنے کی توفیق بخشے۔ اور وہ پہلے سے بہت زیادہ ہم پر رحمتوں اور فضلوں کے ساتھ متوجہ ہو۔ تاکہ وہ مقصد پورا ہو جس کی خاطر جماعت احمدیہ مصروفِ عمل ہے۔ یعنی ساری دنیا کے انسانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قائم ہو جائے تب اور صرف تب ہی آج کی مضطرب اور بے چین دُنیا شیطانی ظلمات سے نجات پا کر خدائی انوار سے حصّہ پا سکتی ہے۔

اے خدا! دُنیا کو جلد اس آیت کا مصداق بنا:۔

"وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا"

اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوگئی

قال اللہ تعالیٰ

معارف القرآن

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝

ترجمہ:۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ اکے لئے کوشش کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اپنی جان ہی کے لئے کرتا ہے۔ اللہ (تعالیٰ) تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ (اور ان کی عبادت کا محتاج نہیں)

تفسیر:۔ اس آیت میں مومنوں کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہ تمہاری تمام نیک کوششیں تمہارے اپنے لئے فائدہ بخش ہیں۔ خدا تعالیٰ کو ان سے کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی عبادت یا ان کی قربانیوں سے بے نیاز ہے۔

پس قربانیاں کرتے وقت تم کبھی یہ خیال نہ کرو۔ کہ تم خدا اور اس کے رسولؐ پر کوئی احسان کر رہے ہو۔ خدا تعالیٰ قربانیوں کا محتاج نہیں بلکہ تم اس کے فضل کے محتاج ہو۔ اور اگر تمھیں کسی نیکی کی توفیق ملتی ہے تو تم خدا پر یا اس کے سلسلہ پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ خود اپنی جان پر احسان کرتے ہو۔ جو لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے وہ بعض دفعہ نیکیاں کرتے کرتے جنت کے دروازہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور ان کا غرور ان کے راستہ میں دیوار بن کر حائل ہو جاتا ہے اور وہ دوزخ میں جا گرتے ہیں۔

پس نیکیوں کے بعد کبر یا خود پسندی کے جذبات کی بجائے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ جس نے ایمان کی توفیق دی اور مصائب و آفات میں ثبات قدم عطا فرمایا۔

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ سوم صفحہ ۲۸۰-۲۷۹)

قال الرسولؐ

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تین نیک خصلتیں

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں موجود ہوں وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے۔ اوّل یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت باقی سب چیزوں سے بڑھ کر ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی نیک انسان سے محض اللہ کی خاطر محبت ہو۔ تیسرے یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر اس کی طرف لوٹنا اسے بہت ہی بُرا معلوم ہو۔ (بخاری)

آگ کی چنگاری

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگشتری دیکھی۔ آپؐ نے دیکھتے ہی یہ اس کے ہاتھ سے نکال کر پھینک دی اور فرمایا۔ کیا تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری ہاتھ میں لینے کا قصد کرتا ہے؟ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ اپنی انگوٹھی اٹھا لو۔ اور اسے بیچ کر کام میں لاؤ۔ اس نے جواب دیا بخدا جبکہ حضور نے اسے پھینک دیا ہے۔ میں تو اب اسے نہیں اٹھاؤں گا۔ (مسلم)

نیکی اور بدی کی پہچان

وابصہ بن معبدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی وہ کام ہے جس میں تیرا قلب مطمئن ہو اور تیرا نفس تسلّی پکڑے اور گناہ وہ کام ہے جس سے تیرے دل میں کھٹکا، خلجان اور اضطراب ہو۔ خواہ اسے کرنیکا لوگ تجھے فتویٰ بھی دے دیں۔ (مسند احمد بن حنبل)

مل کر کھانے میں برکت:۔

حضرت وحشی بن حربؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم کھاتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے۔ فرمایا شاید تم اکیلے اکیلے کھاتے ہو۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کھانا مل کر کھایا کرو اور بسم اللہ پڑھ کر کھایا کرو۔ تمہارے لئے اس کھانے میں برکت ہوگی۔ (ابوداؤد)

انسانی پیدائش کی غرض

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ۔ خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں۔ کہ انسان ہر قسم کی قساوت۔ کجی دور کرکے دل کی زمین کو ایسا صاف بنادے جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔ عرب کہتے ہیں مور معبّد۔ جیسے سُرمہ کو باریک کرکے آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنالیتے ہیں۔ اسی طرح جب دل کی زمین میں کوئی کنکر۔ پتھر ناہمواری نہ رہے اور ایسی صاف ہو۔ کہ گویا روح ہی روح ہو۔ اس کا نام عبادت ہے۔ چنانچہ اگر یہ درستی اور صفائی آئینہ کی کی جاوے تو اس میں شکل نظر آجاتی ہے۔ اور اگر زمین کی کی جاوے تو اس میں انواع واقسام کے پھل پیدا ہوجاتے ہیں۔ پس انسان جو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر دل صاف کرے۔ اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ناہمواری۔ کنکر۔ پتھر نہ رہنے دے تو اس میں خدا نظر آئے گا۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۶۴-۶۵)

کلام الامام

دُنیا طلبی و غفلت شعاری

امامُ الزّمان حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام

دُنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں
نقصان ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں

زر سے پیار کرتے ہیں اور دل لگاتے ہیں
ہوتے ہیں زر کے ایسے کہ بس مر ہی جاتے ہیں

جب اپنے دلبروں کو نہ جلدی سے پاتے ہیں
کیا کیا نہ ان کے ہجر میں آنسو بہاتے ہیں

پر اُن کو اُس سجن کی طرف کچھ نظر نہیں
آنکھیں نہیں ہیں کان نہیں دل میں ڈر نہیں

اُن کے طریق و دھرم میں گو لاکھ ہو فساد
کیسا ہی ہو عیاں کہ وہ ہے جھوٹ اعتقاد

پر تب بھی مانتے ہیں اسی کو بہر سبب
کیا حال کر دیا ہے تعصّب نے ہے غضب

دل میں مگر یہی ہے کہ مرنا نہیں کبھی
ترک اس عیال و قوم کو کرنا نہیں کبھی

اے غافلاں وفا نہ کند ایں سرائے خام
دُنیائے دُوں نماند و نماند بکس مدام

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع ۱۳۴۸ ہش کے موقعہ پر

خدام الاحمدیہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایمان افروز خطاب

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہیں جو بنیادی طاقتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان کی صحیح نشوونما کرو

اور

انہیں کمال تک پہنچاؤ اور پھر رضائے الٰہی کی خاطر خرچ کرنے کی کوشش کرو

ربوہ ۱۷ ماہ اخاء ۱۳۴۸ ہش (۱۹۶۹ء)۔ تین بجے بعد دوپہر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت مقام اجتماع میں تشریف لا کر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے ستائیسویں سالانہ اجتماع کا افتتاح فرمایا۔ تلاوت قرآن کریم اور نظم خوانی کے بعد خدام نے کھڑے ہو کر حضور کی اقتدا میں اپنا عہد دہرایا۔ عہد کے بعد حضور نے فرمایا:۔

اب ہم دعا کریں گے۔ اور اس کے بعد ہی انشاء اللہ آپ سے باتیں کروں گا۔ دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ایک احمدی بچے اور نوجوان کو جس شکل اور صورت اور حسن میں دیکھنا چاہتا ہے وہی شکل ہماری بن جائے وہی صورت ہماری ہو جائے اور اس کے فضل سے وہی حسن جو اس کی صفات کا جلوہ ہے۔ جو اس النور کا نور ہے وہ ہمیں اپنے ہالہ میں لے لے۔ آؤ اب دعا کر لیں:۔

اس کے بعد حضور نے لمبی پُرسوز دعا کرائی۔ اور اس کے بعد خدام سے جو نہایت لطیف اور ایمان افروز خطاب فرمایا۔ اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ (خاکسار سلطان احمد پیرکوٹی)

تشہد۔ تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:۔

وَإِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ (یونس آیت ۶۱)

اس کے بعد فرمایا۔

آؤ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے بے شمار عطایا اور بے انتہا نعمتوں کا ذکر کریں اور اس طرح اس کے ذکر سے اپنے دل کے مشکیزہ کو محبت کے پانی سے بھرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم کی اس آیت میں

جو ابھی میں نے سورۂ فاتحہ کے بعد تلاوت کی ہے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی فضل انسان پر کئے ہیں لیکن کم ہیں جو ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے ہیں۔ فضل کے معنے جب اسے اللہ کے لئے استعمال کیا جائے اس وقت خصوصاً اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایک تو اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ نعمتیں اپنے بندوں کو عطا کرے جو اس نے دیں اور دوسرے جن کو اس نے وہ نعمتیں عطا کیں ان کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں تھا۔

احتیاج کا نہ ہونا یعنی کامل غنا کا انسانوں کے ساتھ تعلق نہیں بلکہ بہت سے انسان دوسروں کو دیتے تو عطیہ کے رنگ میں ہیں۔ لیکن امید رکھتے ہیں کہ جب انہیں ضرورت پڑے گی۔ تو وہ ان کا کام کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو غنی اور بے نیاز ہے اس کو کسی غیر کی ضرورت پڑنے کا امکان ہی نہیں ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کے لئے فضل استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اسے ضرورت کوئی نہیں تھی۔ اس عطا کو بخشنے کی لیکن پھر بھی اس نے اپنی رحمت بے پایاں سے اپنی مخلوق پر بے شمار فضل کئے۔

فضل کے معنی میں دوسری بات یہ پائی جاتی ہے

کہ جن کو وہ عطایا نصیب ہوئیں ان کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں تھا۔ اور بغیر استحقاق حق کے اللہ تعالیٰ نے محض رحمت کے جوش میں اور اس محبت کے جوش میں جو وہ اپنے بندوں کے لئے رکھتا ہے انہیں اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ پس ایک تو اسے کوئی احتیاج اور ضرورت نہیں اور دوسرے اس پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ لیکن ان ہر دو صورتوں کے باوجود اس نے اپنے بندوں پر بڑے ہی فضل کئے۔ لیکن بہت ہیں جو اس بات کو سمجھتے نہیں اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔

فضل کا لفظ

ہر قسم کی عطایا پر بولا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی اس پر بھی فضل کا اطلاق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس زندگی کو سنوارنے کے لئے اور اس زندگی میں خوشحالی پیدا کرنے کے لئے جو اسباب بنائے ان پر بھی فضل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی عزت کے قیام کے لئے جو سامان پیدا کئے اور اسے اس دنیا میں محترم اور مختار بنایا۔ اس کے لئے بھی فضل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں اور قابلیتیں اور استعدادیں عطا کی ہیں ان قوتوں اور قابلیتوں اور استعدادوں پر بھی فضل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ غرض ہر وہ چیز آسمانی ہو یا زمینی (جو

ربّ کے حکم سے

انسان کو ملی وہ فضل ہے۔ ایک تو ہمارا کوئی حق نہیں تھا۔ کہ وہ ہمیں ملتی۔ اور دوسرے یہ کہ رب عظیم کو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وہ یہ فضل کرتا۔

فضل کے جو مختلف معانی ہیں ان میں سے صرف ایک معنی کو مَیں اس وقت لینا چاہتا ہوں۔ اور وہ قوت و قابلیت اور استعداد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو جیسا کہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے ہمیں پتہ لگتا ہے۔

چار مختلف بنیادی قابلیتیں اور استعدادیں

عطا کی ہیں۔ ایک تو اس کی جسمانی قوتیں۔ قابلیتیں اور استعدادیں ہیں جن کی نشو و نما انسان کرتا ہے یا بعض دفعہ وہ ایسا نہیں بھی کرتا۔ جب وہ ان کی نشو و نما کرتا ہے۔ تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور جب نہیں کرتا۔ تو وہ نقصان اٹھاتا ہے بہرحال بہت سی قوتیں اور قابلیتیں، طاقتیں اور استعدادیں انسان کو جسمانی نشو و نما کے لئے ملی ہیں۔ ایک اور قسم کی قوتیں اور قابلیتیں ہیں جو انسان کو اس کی ذہنی نشو و نما کے لئے ملی ہیں۔ پھر ایک اور گروہ قوتوں اور قابلیتوں کا ہے جو انسان کو اس کی اخلاقی نشو و نما کے لئے ملی ہیں۔ اور چوتھی قسم قوتوں اور قابلیتوں کی وہ ہے جو اسے

رُوحانی ارتقا اور رُوحانی نشو و نما

کے لئے ملی ہیں۔ جو قوتیں جسمانی نشو و نما کے لئے ملی ہیں۔ وہ ایک لحاظ سے ایک زاویہ نگاہ سے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی صفت ربوبیت کے پرتو کے نیچے ہیں جو قوتیں اور قابلیتیں اسے ذہنی نشو و نما کے لئے ملی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے پرتو کے نیچے ہیں جیسا کہ ایک جگہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ اور جو قوتیں اور قابلیتیں اس کی اخلاقی نشو و نما کے لئے اسے ملی ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کی صفت رحیمیت کے پرتو کے نیچے ہیں اور جو قوتیں اور قابلیتیں روحانی نشو و نما کے لئے ملی ہیں، روحانی ارتقا کے لئے ملی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت مالکیت کے پرتو کے نیچے ہیں۔ یہ چار صفات خداداد ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی عطا ہیں اور ان پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرنا بندہ پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور

شکر کے معنے

یہ لئے گئے ہیں کہ ایک تو ان ہر چہار قسم کی قوتوں کی صحیح نشو و نما کے لئے کوشش کی جائے۔ اور دوسرے ان قوتوں اور قابلیتوں کو صحیح مصرف پر خرچ کیا جائے اور صحیح مصرف کے معنی اسلام میں یہ لئے گئے ہیں۔ کہ ان راہوں پر چلا جائے یا ان طریقوں پر ان قوتوں کا استعمال کیا جائے کہ جو اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے مطابق ہوں۔ اور جس کے نتیجہ میں انسان کو اللہ تعالےٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

ہر چہار قسم کی قوتوں کی نشوونما ضروری ہے
اگر آپ غور کریں۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ

خدام الاحمدیہ کے سارے پروگرام

کسی نہ کسی قوت اور طاقت کی نشوونما کے لئے بنائے گئے ہیں۔ خدام الاحمدیہ کے بعض پروگرام ایسے ہیں جن سے جسمانی نشوونما ہوتی ہے۔ بعض ایسے ہیں۔ جن سے ذہنی نشوونما ہوتی ہے۔ بعض ایسے ہیں جن سے اخلاقی نشوونما ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن سے روحانی نشوونما ہوتی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید سے فرمایا کہ میں نے تمہیں یہ چار قسم کی قوتیں طاقتیں، قابلیتیں اور استعدادیں دی ہیں۔ تم شکر گزار بندے بننا یعنی ان قوتوں کی صحیح اور کامل نشوونما کے لئے کوشش کرنا اور دوسرے جتنی جتنی قوت کسی کام کے قابل ہو اس کا استعمال اس رنگ میں ہو کہ جس طرح یہ قوتیں اللہ تعالیٰ کی صفات کے پرتو کے نیچے آتی ہیں۔ اسی طرح تمہارے افعال بھی اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اخلاق کا رنگ اپنے پر لئے ہوئے ہوں اور اسی کا نام قرب الٰہی ہے۔ مثلاً اللہ نور ہے۔ اگر بندہ کے افعال میں اور اس کی قوتوں کے اظہار میں نور کا پہلو نہ ہو تو اللہ تعالیٰ جو نور محض ہے جو نور کامل ہے وہ اس اندھیرے سے محبت نہیں کر سکتا۔ وہ اس کے قریب نہیں آ سکتا کیونکہ نور اور اندھیرا ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ظلمت یا اندھیرا اللہ تعالیٰ سے دوری کا نام ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی تمام قوتوں کی (ہر چہار قسم کی تمام قوتوں کی) ایک تو صحیح نشوونما کرنے والے ہوں اور دوسرے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اس کا صحیح استعمال کرنے والے ہوں۔ خدام الاحمدیہ کی تنظیم ہمیشہ یہی کوشش کرتی رہی ہے اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی کوشش کرتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم خدا داد قوتوں کا شکر ادا کروگے تو اس کا فائدہ تمہیں ہوگا۔ یعنی اگر

تمہاری قوتوں کی صحیح نشوونما

ہو جائے تو یہ تمہارے لئے مفید ہوگی۔ مثلاً تمہارے اندر ایک قوت اللہ تعالیٰ نے تیراکی کی رکھی ہے اور یہ ایک جسمانی قوت ہے۔ اگر تم اپنی اس جسمانی قوت کو اس کے کمال نشوونما تک پہنچاؤ گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہوگا۔ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ
تم میں سے بہت سے سیر کے لئے دریا کے کنارے جاتے ہیں اور پھر دریا کے کنارے سیر پر جانے والوں میں سے بہت سے خاندانوں کا بعض دفعہ کوئی بچہ پانی میں گر جاتا ہے اگر اس جسمانی قوت یعنی تیرنے کی قوت کی صحیح نشوونما ہو تو اس کا ایک فائدہ تو نمایاں ہے کہ وہ چھلانگ لگاتا ہے اور اپنے اس بچہ یا عزیز کو ڈوبنے سے بچا لیتا ہے دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جسمانی قوتوں کی صحیح نشوونما کے نتیجہ میں ایک دوسرا قدم اٹھانا تمہارے لئے

آسان ہو جائے گا یعنی تمہاری یہ جسمانی نشو ونما تمہاری
ذہنی نشو ونما کا ذریعہ بنے گی۔ جس طرح ربوبیت کا جلوہ
اس صفت کی نشو ونما کے نتیجہ میں ظاہر ہؤا۔ پھر تمہاری
ذہنی ارتقاء کے نتیجہ میں
رحمانیت کا جلوہ ظاہر ہو جائے گا۔ جس وقت انسان نے
اپنی تیراکی کی قوت کی نشو ونما کرنی شروع کی تو ساتھ ہی
اس کا ذہن اس کے پہلو میں آکر کھڑا ہؤا اور اس کو
کہا کہ تیراکی میں تم اپنے عضلات، اعصاب اور دوسری
چیزوں سے کام لیتے ہو ان سے ایک تو اس قوت کی
نشو ونما میں مدد ملتی ہے اور دوسرے اس سے دنیا کو
فائدہ پہنچتا ہے۔ مثلاً اب ایک پیٹی ربڑ کی ہوا بھر کے
باندھ دی جاتی ہے اور یہ تیراکی کی قوت کی نشو ونما
کا ایک بہتر طریقہ ہے۔ اس سے پہلے ہم بچہ کو اپنے
ہاتھ پر رکھتے تھے اور انسان انسان ہی ہے۔ ہاتھ کبھی
نیچے ہو جاتا تھا اور کبھی اوپر ہو جاتا تھا اور بچہ کو تیراکی
سیکھنے میں پوری مدد نہیں ملتی تھی۔ لیکن اس بیلٹ
سے یا اس کی اور شکلیں ہیں ان سے اس کو زیادہ فائدہ
پہنچ جاتا ہے۔ اب دیکھو ذہنی ترقی ہوئی تو ذہن نے
سوچنا شروع کیا اور مختلف زاویوں سے سوچنا شروع کیا کہ اچھا
تیرنا کس طرح سکھایا جا سکتا ہے یا سکھایا جا سکتا ہے اور ڈوبنے کے جو خطرے
ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ کس طرح بچا جا سکتا ہے
وغیرہ وغیرہ۔ انسان نے جب سوچنا شروع کیا۔ اور
اللہ تعالیٰ کے فضل کو اس نے جذب کیا تو اس کے
ذہن نے اور اس کے علم نے بہت سی ایسی چیزیں نکالیں
جو ایک طرف۔ اس کے
جسمانی قویٰ کی نشو ونما
میں ممد ہوئیں اور دوسری طرف وہ اس کی اخلاقی
نشو ونما میں ممد ہوئیں۔

پھر اخلاق کا تعلق حسنِ سلوک اور حسنِ معاملہ
سے ہے اس لئے یہ سوال پیدا ہؤا کہ ان چیزوں کو
کس رنگ میں دوسرے کے فائدہ کے لئے استعمال
کیا جا سکتا ہے۔ اور جب اخلاق اچھے ہو گئے تو پھر روحانیت
کی طرف توجہ ہوئی۔ کیونکہ اچھے اخلاق والا انسان ایک
احساس یہ بھی اپنے اندر پاتا ہے (بداخلاق انسان یہ
احساس نہیں رکھتا) اچھے اخلاق والا انسان اپنے
اندر یہ احساس پاتا ہے کہ میں نے اپنے
حسنِ سلوک اور حسنِ معاملہ
سے دنیا میں بہتوں کو دکھ سے نجات دی اور میں بہتوں
کے کام آیا۔ میں نے اپنے اچھے اخلاق کا اظہار کیا۔
اور میں ہر دلعزیز بھی بنا۔ لیکن ابھی میں نے اپنے
رب کی نگاہ میں عزت کا مقام حاصل نہیں کیا۔ مجھے
روحانیت حاصل نہیں ہوئی۔ تب وہ اپنے اخلاق پر
زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا رنگ
اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا نور چڑھانا شروع کرتا
ہے اور اس سے اس کی روحانیت کی نشو ونما میں
مدد ملتی ہے۔ یہ اخلاق روحانی رفعتوں کے لئے ممد
اور معاون ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ روحانی طور پر اپنی
روحانی قوتوں کو کمال نشو ونما تک پہنچاتا ہے تو پھر
اس کی روحانیت اپنا چکر پورا کر کے پھر ربوبیت کی
طرف آتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ جب میں نے اپنے

رب کی رضا کو پایا۔ تو میں نے

یقین اور عرفان

حاصل کیا کہ دنیا کی سب لذتوں اور دنیا کے سب سروروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے پیار کی لذت اور سرور ہے اور مجھے اپنے دوسرے بھائیوں کو اس میں شریک کرنا چاہیئے۔ پھر تبلیغ کے لئے باہر نکلتا ہے پھر وہ اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پھر وہ ان لوگوں کو جو اپنے رب سے دور ہیں واپس اپنے پیدا کرنے والے کی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس طرح اس کی روحانیت میں ربوبیت کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ یعنی اس کے جسمانی قویٰ اس کی روحانیت کے تابع ہو کر اپنا کام کرتے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم میرے دیئے ہوئے قویٰ کی، میری عطایا کی، میری نعمتوں کی

میرے فضلوں کی صحیح نشو و نما کرو گے

اور ان سے زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھا فائدہ اُٹھاؤ گے تو اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ دنیا کے بہت سارے دکھوں سے تم بچ جاؤ گے اور اس دوزخ کی آگ سے تم محفوظ ہو جاؤ گے جس کے تخیل سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں بہت جگہ یہ بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ كَفَرَ میں نے اتنی نعمتیں دیں لیکن پھر بھی میرے بندوں میں سے بعض ایسے ہوں گے جو میرا شکر ادا نہیں کریں گے جو میری ان نعمتوں کی صحیح نشو و نما نہیں کریں گے۔ ان سے صحیح اور حقیقی فائدہ نہیں اٹھائیں گے وہ ناشکری کریں گے۔ اور اس بات کو بھول جائیں گے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔ تو وہ اس وقت بھی بے نیاز تھا۔ اس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں تھی۔ جس کی طرف میں نے شروع میں اشارہ کیا ہے۔ اور وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس بے نیازی کے باوجود اس کی صفتِ کریم نے یہ چاہا کہ وہ بے حد و حساب سخاوت کرے اور بخشش کرے اور اپنی اس صفت کے ماتحت اس نے بخشش کی۔ اس کے کریم ہونے کی صفت سے جس کے نتیجہ میں انسان کو یہ تمام قوتیں اور قابلیتیں ملیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اللہ غنی نہیں ہے اس کو کوئی ضرورت تھی۔ اس کو کوئی احتیاج تھی۔ اس لئے اس نے یہ چیزیں دیں۔ یہ احمقانہ بات ہے اللہ تعالیٰ جہاں غنی ہے وہاں وہ کریم بھی ہے اور جہاں وہ کریم ہے وہاں وہ غنی بھی ہے یعنی اس کی سخاوت اس کی بخشش اس کی عطا۔ اس کا اپنے بندوں پر نعمتوں اور فضلوں کو پانی کی طرح بہا دینا یہ اس کی صفت کریم کے ماتحت ہے لیکن وہ شخص ناشکرا اور احمق ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے یا ہمارے کسی حق کے نتیجہ میں ہمیں یہ چیزیں دی ہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ غنی خدا نے کریم ہونے کی حیثیت سے تمہیں یہ بخششیں دی ہیں اور

تم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے

کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ اور شکر کا جو طریق اس نے

بنایا ہے۔ اس کا اسے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس کو کوئی احتیاج نہیں۔ وہ تو غنی ہے اس کا فائدہ تمہیں ہی ملے گا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

(لقمان آیت ۱۳) یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ جو شخص ناشکری کرتا ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ سب نعمتیں ہمیں بغیر استحقاق کے ملی ہیں۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ کے لئے ہر حمد ہے۔ ہر حمد اور تعریف اللہ ہی کی ہے اصل میں وہی حقیقی معنی میں حمد کا مستحق اور تعریف کا حقدار ہے۔ اگر ایک بندہ اس کی حمد نہیں کرتا۔ اگر ایک بندہ اس کی تعریف نہیں کرتا۔ اگر ایک بندہ اس کی عطاء پر اس کی صحیح نشوونما اور اس کے صحیح استعمال سے اس کا شکر ادا نہیں کرتا تو اس سے خدا تعالیٰ کی تعریف اور حمد میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کے اندر کوئی عیب نہیں پیدا ہوتا۔ ہاں اس بندے کے اندر عیب پیدا ہو جاتا ہے۔ بندے کے اندر ایک نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے چہرے پر ایک داغ لگ جاتا ہے۔ اور وہ

خدا سے دوری کا داغ ہے

اور اس سے تم کو بچنا چاہیئے۔ اللہ کی شان میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔ لیکن بہت سے لوگ ہیں۔ جو اپنے رب کو بھول جاتے ہیں اور وہ اس کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ جیسا کہ قدر کرنی چاہیئے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

(آیت ۲۱۳)

کہ اتنی نعمتوں کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے اور کفر سے کام لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی نگاہ میں ان کی اس

بدبختی کے نتیجہ میں

دنیوی زندگی (ورلی زندگی) کو خوبصورت کر کے دکھایا گیا ہے۔ اور اس سے ان کو بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر کسی ایک چیز سے آپ سو روپیہ کا فائدہ اٹھا سکتے ہوں۔ لیکن اٹھائیں صرف پانچ روپیہ کا فائدہ۔ تب بھی یہ بدبختی ہے کہ آپ پچانوے روپے کا اور فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن وہ فائدہ آپ نے اٹھایا نہیں۔ ایک شخص کو ایک ایسی عطا ملی (ساری عطایا ہی اس قسم کی ہیں) کہ وہ ان کے ذریعہ سے اس ورلی زندگی کی جنت بھی حاصل کر سکتا تھا۔ اور اس

اُخروی زندگی کی جنّت

بھی حاصل کر سکتا تھا۔ اور ان دو جنتوں کا مقابلہ ایک اور سو کا نہیں، ایک اور ہزار کا نہیں ایک اور ارب یا کھرب کا بھی نہیں بلکہ یہ بغیر حساب کے ہے

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حاصل تو کرتے ہیں ہماری عطا کردہ قوتوں اور استعدادوں سے بے شمار کے مقابلہ میں صرف پانچ روپیہ کا فائدہ اور تمسخر شروع کر دیتے ہیں مومنوں کی جماعت سے۔ جنہوں نے بے شمار نعمتیں اور فضل حاصل کئے اور ان کے نتیجے اور ثمرات پھل کھائے۔ وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا۔ پس جو لوگ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے والے اور بے شمار عطایا اور ان کے ثمرات کے وارث تھے۔ یہ ناشکرے منکر ان سے تمسخر کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کو استہزاء کی نظر سے دیکھتے ہیں اور استہزاء کی نگاہ سے اس لئے دیکھتے ہیں کہ کہتے ہیں تم نے دنیا میں عیش و عشرت سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ دنیوی زینت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور یہ نہیں سمجھتے اور ان کی عقلوں پر پردہ پڑا ہُوا ہے کہ ان لوگوں نے دنیا میں بھی وہ لذّت پائی جو منکر ناشکرے کو نہیں ملی اور اُخروی لذّتوں کے سامان بھی ان کے لئے مقدر کئے گئے۔ جن سے دنیادار ناشکرا منکر محروم رہے گا۔ اور اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی غضب اور غصّے کی جلا دینے والی آگ میں جو ایک سیکنڈ کے اندر بھسم کر کے رکھ دیتی ہے۔ ایک لمبا عرصہ ان لوگوں کو رہنا پڑے گا لیکن یہ جاہل ناشکرے حیاتِ دنیا کی ظاہری زینت پر فریفتہ، ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنیوالے پر تمسخر کرتے ہیں اور حقیقت سے وہ آشنا نہیں۔ حالانکہ بات یہ ہے کہ جس دن ایمان لانے والوں کی جزاء کا فیصلہ ہوگا۔ اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔ اس دن انہیں معلوم ہوگا۔ کہ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ کہ ان سے کہیں بلند اور بالا اور ان سے برتر اور ان پر فوقیّت رکھنے والے وہ لوگ تھے جن سے یہ تمسخر کیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ گروہ تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ کا پسندیدہ گروہ ہے۔ اور وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اسے بغیر حساب کے دیتا ہے

مَیں نے پہلے بتایا تھا

کہ اس دنیا کی دنیوی زینت اور اس دنیا کی دنیوی لذّت اور اس دنیا کا دنیوی سرور اُس لذت اور سرور اور اُس حسن اور اُس نور کے مقابلہ میں جو اللہ تعالیٰ سے اس کا بندہ حاصل کرتا ہے ایک اور ایک کھرب کی نسبت بھی نہیں رکھتا۔ بلکہ ایک کی نسبت جو غیر محدود سے ہے وہ نسبت رکھتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو کچھ ان کو ملنے والا ہے وہ تو بغیر حساب کے ہے اس کو اعداد و شمار اپنے احاطہ میں نہیں لے سکتے۔ غرض ایک نہایت ہی محدود ظاہری اور صرف چھلکے کی زینت اور ایک عارضی اور فانی آرام اور سکون اور لذّت کی خاطر وہ ان راہوں کو اختیار کرتے ہیں جن راہوں پر چل کر خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں اور قابلیتوں کی صحیح نشوونما نہیں ہو سکتی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا نہیں ملا کرتی اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی حالت پر روئیں وہ ایمان کے تقاضوں

کو پورا کرنے والوں پر استہزاء کرتے ہیں ٹھٹھا کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ جن سے وہ ٹھٹھا کرتے ہیں یہ وہ جماعت ہے کہ جن کے متعلق

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے

کہ دنیوی زینت اور دنیوی آراموں کے مقابلہ میں بغیر حساب ان کو ملے گا۔ ان کا ان سے کوئی مقابلہ نہیں میں نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب دنیا دار ناشکرے کے خلاف فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اس دنیا کی لذت دکھ میں تبدیل ہو جاتی ہے اس دنیا کا سرور غم میں بدل جاتا ہے اس دنیا کی خوشحالی بدحالی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ فیصلہ الٰہی سلسلوں میں اس دنیا میں ضرور ہوتا ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ فیصلہ کس نسل میں ہوگا۔ بعض دفعہ یہ فیصلہ پہلی نسل میں ہوتا ہے جیسا کہ قریش مکہ جو مومنوں کی جماعت کے مقابلہ میں آئے تھے۔ وہ مومنوں کی آنکھوں کے سامنے اور ان کے ہاتھوں سے ذلیل و خوار ہوئے۔ بے عزت ہوئے لیکن کبھی یہ فیصلہ کئی نسلیں گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن اس سارے عرصہ میں پھر بھی بغیر حساب کے اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمتیں اور ان انعامات کے صحیح استعمال کے نتیجہ میں ان کے جو ثمرات ملتے ہیں جو پھل ملتے ہیں وہ بغیر حساب ملتے ہیں اور اسی دنیا میں ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک مثال دی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک الٰہی سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ اس پر ایمان لانے والے ایک وقت تک ذلیل بھی کئے جاتے ہیں ان پر پھبتیاں بھی کسی جاتی ہیں۔ استہزاء سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ان کو دکھ بھی دیا جاتا ہے۔ ان کو چپیڑیں بھی لگائی جاتی ہیں ان کے جوتے بھی پڑتے ہیں ان کو قتل بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ اپنا تعلق محبت جو انہوں نے اپنے رب سے باندھا تھا۔ قطع نہیں کرتے۔ دنیا کی کوئی تلوار ایسی نہیں کہ جو اس رشتہ الفت کو قطع کر سکے اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے حقیقی سکون کا اس وقت بھی انتظام کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ دنیا میں اپنا فیصلہ جاری کرتا ہے وہ ان کو غالب کرتا ہے اور باقی دنیا کو جو ہر سے چماروں کی طرح ذلیل اور بے عزت کر دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قوتوں کا وہ صحیح استعمال کرتے ہیں ان کی صحیح نشوونما کرتے ہیں۔ اور

ایک نہایت ہی حسین معاشرہ

اس دنیا میں پیدا ہو جاتا ہے جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کو دکھ پہنچانے والا نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص دوسرے کے دکھوں کا مداوا بنتا ہے۔ اور دراصل یہ دنیوی دکھ بھی سوائے آسمانی ابتلاؤں اور امتحانوں کے باقی نہیں رہتے کیونکہ ہماری دنیا میں جو دکھ ہیں وہ بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ دکھ ہیں جو انسان کے ہاتھ کے پیدا کردہ ہیں اور ایک دکھ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے حوادث کے

رنگ میں آتے ہیں۔ اور وہ امتحان کے طور پر ہوتے ہیں۔ یہ امتحان تو ان کے ایمان کی پختگی کے لئے اور ان پر اپنے فضلوں کی بارش میں وسعت اور شدت پیدا کرنے کے لئے جاری رہتا ہے اور جاری رہے گا۔ لیکن انسان کے ہاتھ سے جو یہ پاک اور مقدس لوگ دُکھ اٹھایا کرتے تھے۔ وہ صورت پھر قائم نہیں رہتی۔ ہر انسان کی عزت کی جاتی ہے۔ ہر ایک انسان کا احترام ہوتا ہے۔ ہر انسان کی قدر کی جاتی ہے۔ ہر انسان کو اپنے جیسا اشرف المخلوقات کا ایک فرد سمجھا جاتا ہے۔ ہر انسان دوسرے انسان سے تعاون کرتے ہوئے اپنے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فیصلے کا وہ دن بھی آتا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً
كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً
يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا
مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ
بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا
اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ
الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ۔ (النحل: ۱۱۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نقشہ کھینچا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی جماعت کے لئے آخری فیصلہ ہو جاتا ہے اور اس دنیا میں بھی وہ غالب ہو جاتے ہیں اور امن اور اطمینان اور خوشی اور خوشحالی اور ہزار قسم کے سرور والی زندگی گذارنے لگ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں کے نتیجہ میں وہ اور بھی اس کی طرف جھکتے ہیں وہ اپنے نفس سے اور بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور بھی زیادہ فنائی ہو جاتے ہیں۔ وہ ہر غیر اللہ سے اور بھی زیادہ دور ہو جاتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور شکر کا حق ادا کرتے ہیں تب ایک لمبا زمانہ ایسا آتا ہے کہ اس دنیا کا رزق بھی بڑی کشائش کے ساتھ ان کو ملتا ہے اور ان کی زندگی امن اور اطمینان کی زندگی ہوتی ہے پھر کبھی دو نسلیں کبھی چار نسلیں، کبھی پانچ نسلیں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی پروردہ یافتہ خدا تعالیٰ کے حضور عاجزانہ جھکتی رہتی اور اس کے مزید فضلوں کو حاصل کرتی رہتی ہیں پھر ایک نسل پیدا ہوتی ہے۔ اس کے دل میں شکر کی بجائے ناشکری کے جذبات ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ ہمارے باپ دادا اور ہم ایسی خوبیوں کے مالک ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اس بات پر مجبور رہا کہ وہ ہماری عزت کرے۔ اللہ تعالیٰ بھی مجبور ہوا کہ وہ ہمیں مال دے۔ وہ ہمیں اقتدار دے، وہ ہمیں عزت دے اور وجاہت دے، عاجزانہ راہوں کو چھوڑ کر متکبرانہ

اور مغرورانہ راہوں کو اختیار کرتے ہیں تب جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی ناشکری اور

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری

اپنی انتہاء کو پہنچ گئی اور وہ جو تمجھ رکھتے تھے۔ وہ جو روحانیت کے نور میں زندگی گزار رہے تھے ان کی آواز کو یہ سُن نہیں رہے۔ تب ایک دوسرا فیصلہ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ۔ ایسی بستی کو ایسی قوم کو ایسی جماعت کو اللہ تعالیٰ سکون اور آرام اور خوشی اور اطمینان کے لباس کی بجائے بھوک اور بے اطمینانی اور خوف کی چادر پہناتا اور ذلت کا مزہ چکھاتا ہے تب ان کو کہتا ہے دیکھو تمہارے باپ دادا نے میرے فضلوں کو پایا۔ اور انہوں نے اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو اس رنگ میں استعمال کیا کہ میرے مادی اسباب دنیا کے فائدہ کے لئے اور ان کی روحانی ارتقا کے لئے کام آئے کتنا لمبا عرصہ میں نے ان سے پیار کا سلوک کیا کتنی بے شمار نعمتیں ہیں جو میں نے ان کو دیں ایک لمحہ بھی وہ میری محبت کی نگاہ سے محروم نہیں ہوئے کیونکہ مجھ پر نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ اور ایک ذرہ بھی ان کے جسم کا اور ایک لحظہ بھی ان کی روح کا مجھ سے دور نہیں ہوا۔ ان کا ہر زاویہ جو تھا ہر رنگ جو تھا۔ وہ میری طرف اور میرے رنگ سے رنگین تھا۔ ایک کے بعد دوسری نسل نے میری محبت کی شان اور میری محبت کے جلوے اس طرح دیکھے کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ لیکن تم ناشکرے پیدا ہوئے کہ تم ان تمام نعمتوں کو بھول گئے اور ناشکری کی راہوں کو تم نے اختیار کیا۔ اور اب میں تمہیں دوسرا جلوہ جو میرے قہر اور غضب اور غصہ کا جلوہ ہے دکھاتا ہوں۔ تم دنیا میں اگر کوئی چیز حاصل کر سکتے ہو جس کے نتیجہ میں خوش حالی اور آرام ملے تو وہ میری رضا اور میری مرضی کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔

اب میں تمہارے لئے یہ فیصلہ کرتا ہوں

کہ تم سے دنیا کی عزتیں، دنیا کے اموال، دُنیا کی عقلیں اور وجاہتیں اور دنیا میں انسان کی سعی زندگی بسر کرنے والے اخلاق اور دنیا میں ان راہوں کو اختیار کرنے کی طاقتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف لے جانے والی ہیں۔ یہ ساری چیزیں چھین لیتا ہوں اور اب تم جسمانی اور رُوحانی بھوک اور اِس دنیا اور اُس دنیا کے خوف میں اپنی زندگی بسر کرو گے تمہیں یہ جلوہ بھی نظر آتا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے جو انعامات تم پر کئے ہیں۔ تم نے انعامات کی ناشکری نہیں کرنی۔ جب تک تم شکر گزار بندے بنے رہو گے مزید نعمتیں اور مزید فضل تمہیں حاصل ہوتے رہیں گے۔ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس مفہوم کو ادا کرتی ہیں۔ میں نے چند آیتیں لی ہیں۔ اور یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے۔ یہ تمہید کے طور پر ہے اس کے نتیجہ میں ہماری ہر نسل جو عمر کے لحاظ سے بڑوں سے تعلق رکھتی ہے اور وہ بھی

جو چھوٹوں سے تعلق رکھتی ہے مرد بھی اور عورتیں بھی اور ہم سب پر ہماری ہر نسل پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں بنیادی طور پر تو ایک ہی ذمہ داری ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انسان پر فضل کرے اور اسے اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازے (اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی فضل کرتا اور ہمیشہ ہی اپنی بے شمار نعمتوں سے اپنے عاجز بندوں کو نوازتا رہتا ہے) تو اس کا یہ فرض ہے کہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرے۔ ان نعمتوں اور فضلوں میں سے ایک نعمت اور ایک فضل ہماری جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتیں ہیں۔ پس جہاں تک ان قوتوں اور استعدادوں کا تعلق ہے ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے بنتے ہوئے ایک تو انکی صحیح نشوونما کریں اور اس نشوونما کو کمال تک پہنچائیں یعنی جتنی طاقت اور جتنی قوت اس نے ہمیں دی ہے وہ جس حد تک اپنے کمال کو پہنچ سکتی ہے اس حد تک اسے پہنچائیں۔ ہر ایک آدمی کا دائرہ استعداد علیحدہ علیحدہ ہے۔ لیکن ہر فرد واحد کا جو دائرہ استعداد ہے اس کے اندر جن رفعتوں تک پہنچنا اللہ تعالیٰ نے ممکن بنایا ہے۔ ان رفعتوں تک وہ اپنی کوشش تدبیر اور دعا جو اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے والی ہے کے ذریعہ پہنچے یہ ہمارا فرض ہے۔ اور اس فرض کی طرف ہمیں متوجہ ہونا چاہیئے۔ یہ فرض صرف بڑی نسل کا نہیں، بلکہ یہ فرض ان پر بھی عائد ہوتا ہے جو نئے نئے احمدیت میں داخل ہوتے ہیں۔ اور ان پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے جو احمدیت کے گھر میں پیدا ہوئے اور انہوں نے نئے سرے (کیونکہ نئے افراد ہیں) سے اپنی جسمانی اور ذہنی اور اخلاقی اور روحانی قوتوں کی نشوونما کرنی ہے اور اس نشوونما کو اس کے کمال تک پہنچانا ہے۔

اس تمہید کے بعد

میں انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ مجھے زندگی اور توفیق دے اپنی آخری تقریر میں جب میں آپ سے مخاطب ہوں گا جو فرائض عاید ہوتے ہیں۔ ان کی طرف بڑی وضاحت سے اور کھل کے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ آپ اس تمہید کو سمجھیں یہ بڑی اہم تمہید ہے۔

اب دعا کرلیں اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق دے۔ اور آپ کو سمجھنے کی بھی توفیق دے۔

اس کے بعد حضور نے اجتماعی دعا کرائی:

(الفضل ۱۷ فتح ۱۳۴۹ہش)

اس عہد کو مت بھولئے کہ

"میں دین کو دنیا پر

مقدم رکھونگا"

مکرم پروفیسر حبیب اللہ خانصاحب ایم ایس سی
تعلیم الاسلام کالج ربوہ

تسخیر کائنات اسلام کے نقطۂ نظر سے

نوٹ:۔ یہ مضمون جلسہ سالانہ کے بابرکت ایام میں مورخہ ۲۷ر دسمبر کی رات نظارت اصلاح وارشاد کے تحت منعقد ہونے والے علمی تقاریر کے اجلاس میں پڑھا گیا۔ (ادارہ)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ
رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ
بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ
وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ
الْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ
لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ۔ (ابراہیم ۳۳-۳۴)

یہ بات ایک حقیقت بن کر ہمارے سامنے آگئی ہے کہ انسان چاند تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس کامیابی نے جہاں دانشوروں کے لئے فکر و عمل کی ایک نئی راہ کھول دی ہے وہاں اس کے باعث مذہبی دنیا میں ایک عظیم ہلچل اور زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ لوگ جو اجرام سماوی کو دیوی دیوتاؤں کا مسکن سمجھتے تھے۔ ان کے مذہبی معتقدات تو پاش پاش ہو گئے ہیں۔ مشرکوں کا تو خیر کیا ذکر ہے خود مسلمانوں کے مروجہ خیالات بھی ایک حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ تو ابھی تک اس بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں کہ واقعی انسان چاند تک پہنچ چکا ہے لیکن جو اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ بھی حیران ہیں کہ یہ کیا ہو گیا۔ چاند کی تسخیر کے عنوان سے جو مضامین اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے ہیں اور میری نظر سے گذرے ہیں ان میں یہ تو دعویٰ کیا گیا ہے۔ کہ اس کامیابی سے اسلام کی تعلیم پر کوئی زد نہیں پڑتی لیکن کوئی تنقیدی جائزہ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے نہیں لیا گیا۔ صرف اس بیان پر اکتفا کیا گیا ہے کہ قرآن کریم مطالعہ قدرت کی طرف توجہ دلاتا ہے اور اس کی آیات میں کوئی تضاد نہیں۔ قرآن کریم کی خدمت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے بموجب ابناء فارس کے سپرد ہو چکی ہے اور وہی قرآنی حقائق کو آشکار کرنے کے صحیح معنوں میں اہل ہیں۔ مسند ابو حنیفہ کے دیباچہ میں مصنف یہ حدیث لائے ہیں کہ ابناء فارس علم کو پھر آسمان سے واپس لائیں گے۔ حدیث ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ
عَنْهُ لَوْ كَانَ الْعِلْمُ عِنْدَ
الثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ

مِنْ اَبْنَاءِ فَارِس۔ متفق علیہ
(قال السیوطی ھذا الحدیث
اصل صحیح یُعتمد علیہ)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر علم ثریا تک بھی پہنچ جائے تو اس کو ابنائے فارس لے آئیں گے۔ (مقدمہ المسند ابی حنفیہ مکتبہ ربیع حلب صلہ)

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش کی غرض وغایت یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کا عبد بن جائے اور اپنے رب کے نقوش کو اس درجہ اپنے اندر جذب کرے کہ بس اسی کے حسن کی جلوہ گری اس میں ہو۔ انسان کی عقل و دانش محدود اور فہم و ادراک ناقص ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْھُدٰی۔ ہدایت کا راستہ دکھانا ہمارا کام ہے اس غرض کے لئے ابتدائے آفرینش سے مامورین و مرسلین کا سلسلہ اس نے جاری کیا اور صحف سماوی کو انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا۔ لیکن جو لوگ اس روحانی طریق سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اپنی عقل پر ہی تکیہ کرتے ہیں ان کی ہدایت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین میں بے شمار نشان رکھے ہیں تاکہ ایسے لوگوں پر حجت پوری ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار کائنات پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے اور مشاہدہ اور مطالعہ قدرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم ہیئت و طبعیات وغیرہ علوم کی کوئی درسی کتاب نہیں کہ اس میں سائنسی مسائل پر بحث کی گئی ہو لیکن چونکہ وہ شریعت کاملہ ہے اس لئے ہدایت کی تمام راہوں سے استفادہ کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ مشاہدہ اور مطالعہ قدرت بھی ہدایت کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ اس لئے نہ صرف مؤثر رنگ میں اور تکرار اس پر ابھارا گیا ہے بلکہ جگہ جگہ علوم کی باریکیاں اور حقائق نہایت حکیمانہ انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ تاکہ وہ اہل بصیرت یعنی مومنین کے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہوں اور اہل دانش کے لئے حجت اور برہان قاطع بنیں اور اُن کے لئے راہ فرار باقی نہ رہے۔

مطالعہ قدرت کے سلسلہ میں ایک چیز جس پر بہت زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے آسمان و زمین اور ان کے اندر پائی جانے والی تمام اشیاء کو انسان کی خدمت کے لئے مقرر کر رکھا ہے جیسا کہ فرمایا۔

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ۔
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
یَّتَفَکَّرُوْنَ (الجاثیہ ۱۴)

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب کا سب اس نے تمہاری خدمت پر لگایا ہوا ہے اس میں فکر کرنے والی قوم کے لئے بڑے نشان ہیں۔

جب ہم تسخیر کائنات کے مضمون پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمارے نقطہ نظر سے اللہ تعالےٰ نے اپنی خلق کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک حصے کو السّمٰوٰت کے نام سے موسوم کیا ہے اور دوسرے کو

الارض سے۔ میرے موضوع میں یہ دونوں حصّے شامل ہیں اوران دونوں پر ہی غور وفکر کی ضرورت ہے۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں چاند تک رسائی نے انسانی خیالات کو السمٰوات کی طرف زیادہ متوجہ کر دیا ہے اس لئے اس وقت اس پہلو پر ہی روشنی ڈالنا مطلوب ہے۔

مسخّر کے معنی ہیں کَلَّفَهٗ عَمَلًا بِلَا اُجْرَةٍ۔ کسی چیز کو بغیر اجرت اور معاوضہ کے خدمت پر لگا دینا۔ اسی طرح اس میں یہ بھی مفہوم پایا جاتا ہے کہ کسی چیز کو اپنے ارادہ اور مرضی کے تابع کر لینا اور اسے کسی رنگ میں خدمت پر مجبور کر دینا کہ وہ خلاف نہ کر سکے۔ اس نقطۂ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ساری کائنات پر تصرف اور اختیار صرف اللہ تعالےٰ کو حاصل ہے۔ اسی کے منشاء اور مرضی کے مطابق یہ کارخانۂ عالم چل رہا ہے اس سارے نظام کے قیام وبقا میں انسان کو کچھ بھی عمل دخل حاصل نہیں جیساکہ فرمایا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ
مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ۔ (النحل ۱۲)

اور اس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے خدمت پر لگا رکھا ہے اور (دوسرے) تمام ستارے بھی اسی کے حکم سے تمہاری خدمت پر متعین ہیں۔ اس آیت کریمہ میں بِاَمْرِهٖ کے لفظ سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ چاند اور سورج خدا تعالےٰ کے اذن اور حکم سے خدمت پر مامور ہیں انسان کو یہ طاقت نہیں دی گئی کہ وہ ان اجرام کو اس کام پر مجبور کر سکتا۔

اسی طرح سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ
مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ۔ اَلَا لَهُ
الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ
اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔

اور سورج کو اور چاند کو اور ستاروں کو اس نے اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ سب اس کے حکم کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ سنو! پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے اور قانون بنانا بھی (اسی کا کام ہے) اللہ بہت برکت والا ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جہاں تک نیست سے ہست کرنے کا کام ہے اور جہاں تک قوانین قدرت کا تعلق ہے وہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس کے غیر کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں نہ انسان کو یہ قدرت دی گئی ہے کہ وہ خلق کر سکے اور نہ اس میں یہ طاقت ہے کہ نظام عالم کے لئے قوانین مرتب کر سکے۔ یہ بات اس قدر بدیہی ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ انسان کی پیدائش سے کروڑوں سال قبل ہی یہ سارا عالم وجود میں آچکا تھا۔ اور قوانین قدرت کا نفاذ ہو چکا تھا۔ انسان کا اس میں دخل ہو ہی کیا سکتا ہے۔

اس نہج سے تسخیر صرف عزیز وحکیم خدا سے مخصوص ہے انسان اس میں بے دست و پا ہے۔ اور تسخیر کائنات

اس کے حیطۂ اختیار سے باہر ہے۔

صرف ایک چیز ہے جو انسان کے اختیار میں رکھی گئی ہے اور وہ یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ کی خلق سے حسب ضرورت استفادہ کر سکتا اور اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً

(لقمان ۲۱)

کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب تمہاری خدمت میں لگا یا ہوا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں خواہ ظاہری ہوں یا باطنی پانی کی طرح بہا دی ہیں۔

اس آیت میں دو امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اوّل یہ کہ آسمان و زمین کی کل اشیاء انسان کی خدمت کے لئے اور اس کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ جو چیز خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہو وہ ہر حال خادم ہے اور کسی صورت میں بھی مخدوم نہیں ہو سکتی۔ انسان کے لئے کہاں زیبا ہے کہ خادموں کے سامنے سر جھکائے اور ان کی پرستش کرے انسانی فطرت بھی اس کو قبول نہیں کرتی۔

دوسری بات یہ بیان کی کہ ان اشیاء کے بعض فوائد بالکل ظاہر و باہر ہیں۔ ان کو ہر شخص خواہ عالم ہو یا جاہل خوب سمجھتا ہے مثلاً یہ کہ سورج سے رات کی تاریکی دور ہوتی اور دن چڑھتا ہے۔ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی اور بارشیں زمین کو سیراب کرتی ہیں۔ یہ باتیں ہر ایک کو معلوم ہیں اور ان میں کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں لیکن کچھ فوائد ایسے ہیں جن کا علم تحقیق و جستجو اور گہرے غور و فکر سے ہوتا ہے۔ اور وہ باطِنَةً میں شامل ہیں۔

ان باطنی اور پوشیدہ فوائد کا علم حاصل کرنے کے لئے بھی کچھ قاعدے قانون اور شرائط مقرر ہیں

(۱) اوّل تو یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر ۲۲)

اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے (غیر محدود) خزانے ہمارے پاس نہ ہوں لیکن ہم اسے ایک معین اندازے سے ہی اتارا کرتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں دنیا کی آبادی بڑی محدود تھی۔ اور ان کی ضروریات بھی محدود تھیں اس زمانہ کے لحاظ سے سامان معیشت کافی موجود تھا اگر اس وقت برقی قوت، ایٹمی توانائی یا ٹیلی ویژن کا انکشاف ہو جاتا تو وہ لوگ اس سے کیا فائدہ اٹھاتے ایسا انکشاف اُس زمانہ میں بے معنی اور عبث ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ علوم کو بھی حسب ضرورت ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ علوم اور ان سے فوائد حاصل کرنے کا معاملہ جدّوجہد، جستجو اور فکر و تدبر سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ علوم کی

بے قدری ہو جو لوگ دماغ سوزی سے کام لیتے ہیں وہ اپنی محنت کا ثمرہ پاتے ہیں۔ جس قدر محنت اور کاوش ہوتی ہے اسی قدر اس کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے اس بارے میں خدا تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ خدا تعالیٰ کا انعام سعی اور کوشش کے مطابق ہوا کرتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ علوم کا انکشاف کسی خاص قوم یا خاص زمانہ سے مخصوص نہیں۔ جس نے بھی محنت کی اور جب کی اس نے پھل پایا۔ کبھی یونانی اور رومی علم و فضل میں آگے بڑھے اور کبھی مصری اور چینی۔ جب مسلمانوں نے علوم کی قدر کی تو خدا تعالیٰ نے ان کو بے حد نوازا۔ آج عیسائی مغربی اقوام اور خدا کے منکر چینی و روسی اس طرف متوجہ ہیں تو ان کی سعی مشکور ہو رہی ہے۔ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ۔ یہ ترقی و تنزل کے دور قوموں پر آتے رہتے ہیں۔ اور ان میں اولوالالباب یعنی مومنوں کے لئے بڑا سبق ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نور نبوت سے نوازتا ہے۔ تو ان کے اذہان میں بھی جلا بخشتا ہے اور وہ فوق العادت ترقی کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عرب کے بادیہ نشین آناً فاناً دنیا پر چھا گئے۔ اور ساری دنیا کے معلّم بنے۔ آج پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے امتِ مسلمہ کو نورِ نبوت سے نوازا ہے۔ اس لحاظ سے ہمارا فرض ہے کہ سائنسی علوم کی طرف پوری توجہ کریں۔ اور جلد اس معیار پر پہنچیں جہاں ہم دوسروں کے لئے دنیاوی علوم میں بھی استاد بن سکیں۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ علوم کے انکشاف اور تسخیر کے عمل کو خدا تعالیٰ نے کلیۃً انسانی کوشش پر نہیں چھوڑا بلکہ ہمیشہ ضرورت حقہ کا لحاظ رکھا ہے جس چیز کی واقعی ضرورت ہو اور انسان اپنی کوشش سے اسے دریافت نہ کر سکتا ہو وہاں اِنَّا عَلَیْنَا لَلْهُدٰی کے وعدہ کے بموجب وہ خود انکشاف کے سامان پیدا کر دیتا ہے لوگ اس کو اتفاق کہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت خدا ہی درپردہ وہ تاریں ہلا رہا ہوتا ہے۔ ایکسرے اور تابکاری جسے انگریزی میں radio activity کہتے ہیں کا انکشاف کسی غور و فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ عرف عام کے مطابق اتفاق سے ہوا۔ اسی طرح پین سلین کا انکشاف محض ایک اتفاق سمجھا جاتا ہے آج نامیاتی کیمیا میں بے حد ترقی ہو رہی ہے اس پر ایک وقت ایسا آیا جب کاربن کے ایک کیمیائی مرکب بنزین کی ساخت سائنسدانوں کی سمجھ میں نہ آتی تھی اور اسی پر آئندہ ترقی موقوف تھی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ کیکولے نامی ایک سائنسدان جو اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا سیر کے لئے اکیلا باہر نکلا۔ چلتے چلتے اس نے کاربن کے ذروں کو اپنی نظر کے سامنے ناچتے ہوئے دیکھا اور وہ باہم اس طرح آپس میں جڑ گئے جس سے ساخت کا مسئلہ حل ہو گیا یہ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی کی ایک واضح مثال ہے

غرض کائنات کی تسخیر اور علوم سے استفادہ حاصل کرنے میں خدائی تقدیر برابر کام کرتی نظر آتی ہے

اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو پیدا کر کے نعوذ باللہ آرام
کرنے نہیں بیٹھ گیا۔ بلکہ برآں اس کے جلوے ظاہر ہو رہے
ہیں اور اس کی مشیت کارفرما ہے جب اور جہاں کسی
چیز کی ضرورت پیش آتی ہے اس کا حل موجود ہو
جاتا ہے۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ جیسا اوپر ذکر کیا جا چکا
ہے قرآن کریم طبیعی علوم کو سکھانے کے لئے نازل
نہیں کیا گیا۔ بایں ہمہ اس میں جگہ جگہ حقائق کا ایسے
رنگ میں اظہار کیا گیا ہے کہ انسانی عقل حیران
رہ جاتی ہے اور یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں
رہتا کہ واقعی یہ خدائی کلام ہے اور ایک علیم و خبیر
ہستی ہی اس کو نازل کر سکتی تھی۔ یہ کسی صورت
سے بھی انسانی دماغ کا اختراع نہیں ہو سکتا۔
بہت سے سائنسی حقائق باوجود واضح الفاظ میں
بیان ہونگے ایک وقت تک مستور اور نظروں
سے اوجھل رہتے ہیں اور مومنین کے لئے ایمان
بالغیب کا حصہ بنتے ہیں لیکن جب ان کے انکشاف
کا وقت آتا ہے تو ذہن خود بخود اس طرف متوجہ
ہو جاتے ہیں اور مخفی امور صاف صاف نظر آنے
لگتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ قرآن کریم زندہ
خدا کی زندہ کتاب ہے اس کی حقانیت ہر زمانہ
میں تازہ بتازہ نشانوں کے ذریعہ ظاہر ہوتی رہتی
ہے جہاں مومنوں کے لئے وہ ازدیاد ایمان کا موجب
ہوتی ہے وہاں مخالفین کے لئے ایک تازہ اور
واضح حجت بن کر سامنے آتی ہے جس سے انکار کی
گنجائش نہیں رہتی اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کریم بھی
صحف سابقہ کی طرح قصہ یا کتھا سے زیادہ حیثیت
نہ رکھتا۔

اس زمانہ میں مختلف سماوی کروں تک پہنچنے
کا بڑا غلغلہ ہے چاند تک رسائی ہو چکی ہے انسان
کا وہاں تک پہنچ جانا تاریخ انسانی کا لاریب ایک
عظیم کارنامہ ہے اور اب مریخ اور دوسرے کروں
تک پہنچنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ترقی کے اس میدان
میں صرف دو قومیں یعنی روس اور امریکہ ہی مصروف
عمل ہیں۔ دنیا کی باقی اقوام کا اس میں کوئی حصہ
نہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے
کی کوشش کر رہے ہیں اور بے اندازہ دولت
ان مساعی پر صرف کی جا رہی ہے ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ ان کو اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ ان
میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ ساری دنیا
پر اس کا تسلط قائم ہو جائے۔

زمین کو چھوڑ کر دوسرے کروں میں جانے
کا خیال افسانوی حیثیت سے تو بے شک بہت پرانا
ہے لیکن یہ کہ وہ ایک حقیقت بن جائے گا اس کا
امکان تو موجودہ صدی کے وسط تک بھی پیدا نہیں
ہوا تھا۔ تجرباتی اغراض کے لئے مصنوعی سیاروں
کے قیام کی تجویز پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ء میں امریکی صدر
نے پیش کی اور سپٹنک نامی پہلا سیارہ ۴؍ اکتوبر
۱۹۶۳ء کو چھوڑا گیا۔ اس وقت تک بھی چاند تک
پہنچنے کا مسئلہ سامنے نہیں آیا تھا۔ لیکن جب یکبارگی

مصنوعی سیاروں کا خلا میں قیام ایک عملی شکل اختیار کر گیا تب چاند تک جانے کا خیال پیدا ہوا۔ گویا علمی اور عملی لحاظ سے یہ مسئلہ خالصۃً اس دور کی پیداوار ہے۔ لیکن قرآن کریم نے آج سے ۱۴۰۰ سال قبل نہ صرف اس کی طرف اشارہ کیا بلکہ یہ بھی بتلایا کہ اس دوڑ میں کونسی قومیں لیں گی اور ان کا کیا انجام ہوگا۔

سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلَانِ ۝
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا
مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ
اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ (الرحمٰن ۳۲-۳۴)

اے دونوں زبردست طاقتو! (مراد روس اور امریکہ) ہم تم دونوں کے لئے فارغ ہو رہے ہیں (یعنی کچھ دن ڈھیل دے کر دونوں کو تباہ کر دینگے)، پھر بولو کہ تم دونوں اپنے ربّ کی نعمتوں میں سے کس کس کا انکار کروگے اے جن و انس کے گروہ! اگر تم طاقت رکھتے ہو، کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل بھاگو۔ تو نکل کر دکھا دو۔ تم سلطان کے بغیر ہرگز نہیں نکل سکتے۔

ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب دنیا دو گروہوں یا بلاکوں میں بٹ جائے گی اور انہیں کے نظریات تمام دنیا پر چھائے ہوئے ہوں گے اس لئے قرآن کریم نے ان کے لئے ثقلین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ان دونوں گروہوں کی مزید تشریح کرتے ہوئے ان کو انس اور جنّ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر صغیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے مطابق انس سے مراد عوام کی حکومت ہے جن کا علمبردار روس ہے اور جنّ سے مراد امراء یا Capitalistic States ہیں جن کا علمبردار امریکہ ہے۔

ان دونوں گروہوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر تم میں طاقت ہے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے یعنی کائنات کی حدود کو پھلانگ جانے کی تم میں ہرگز طاقت نہیں اور ایسا کبھی نہیں ہو سکیگا اس جگہ اقطار السمٰوٰت والارض سے ساری کائنات مراد ہے۔ کائنات کی حدود کو پھلانگنا تو الگ رہا ابھی تک تو اس کی سرحدوں کی تعیین بھی نہیں کی جا سکی۔ ترقی کا ہر دن یہی بتلاتا ہے کہ یہ کائنات اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے جتنا کہ ہیئت دان سمجھے بیٹھے تھے۔ بعض کہکشائیں اس قدر دور ہیں کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلنے والی روشنی کو ہزاروں لاکھوں نوری سال لگ جاتے ہیں جس چیز کا انسانی دماغ نے ابھی احاطہ ہی نہیں کیا اس سے نکل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس قرآن کا یہ کہنا کہ فانفذوا۔ تم نکل کر تو دکھاؤ۔ ایک محکم امر ہے۔

یہ کیسی واضح پیشگوئی ہے جس سے انکار کی

گنجائش ہی نہیں۔ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہ ایک
حجت ہے اور قرآن حکیم کی صداقت کا ایک تازہ
نشان۔ نزولِ قرآن کے وقت یعنی اب سے ۱۴۰۰
سال قبل جدید سائنس اور ٹکنالوجی کا ابھی آغاز بھی
نہیں ہوا تھا۔ اس وقت سمٰوٰت والارض سے
نکل جانے کا تصور انسان کے دماغ میں آ بھی نہیں سکتا
تھا۔ ایسے وقت میں ان امور کا انکشاف لاریب
ایک عالم الغیب ہستی ہی کر سکتی ہے۔

اسی آیت میں ایک تھوڑا سا استثناء خود
کر دیا اور فرمایا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۔
ہاں اس کائنات میں رہتے ہوئے تم تھوڑا بہت نفوذ
کر سکو گے۔ وہ بھی سلطان کے بغیر نہیں ہوگا۔ اس
استثناء سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کے
ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں یا یوں کہیئے کہ ایک
کرّہ سے دوسرے کرّے میں چلے جانے کے امکان کو
قرآن تسلیم کرتا ہے بلکہ خود اس نے بطور پیشگوئی اس
کو پیش کیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ سلطان سے کیا
مراد ہے۔ سو جاننا چاہیئے۔ کہ عربی لغت کے لحاظ سے
سلطان کے معنی ہیں۔ الحجۃ روشن دلیل اور حجت۔
اَلتَّسَلُّطُ وَ قُدْرَۃٌ۔ غلبہ اور طاقت۔ اَلْمَلِكُ
بادشاہ۔

دلیل اور حجت کے معنی لئے جاویں تو اس کی تشریح یہ ہوگی
کہ ہمارا زمین کے کرّہ سے نکل جانا ہی ہمارے خلاف
ایک ثبوت اور دلیل بن جائے گا۔ جب روسیوں نے
چاند کی طرف راکٹ پھینکا اور وہ چاند کے قریب سے
گزر کر سورج کے مدار میں داخل ہو گیا۔ تو انہوں نے
نعرہ لگایا کہ ہمیں تو آسمان تک (یعنی چاند سورج تک)
کہیں خدا کا نشان نظر نہیں آیا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے
کہ تم کیسے احمق ہو کہ ایسا کلمہ منہ سے نکالتے ہو۔ قدرت
میں ہر حرکت و ہر سکون کے لئے قواعد مقرر ہیں تمہارا
ساری سائنس اور ٹکنالوجی انہیں قوانین کی دریافت
اور ان سے استفادہ پر مشتمل ہے۔ یہ قوانین اس وقت
سے جاری و ساری ہیں جب سے دنیا معرض وجود
میں آئی۔ اور اس وقت سے اب تک ان میں کوئی
تغیر و تبدیل نہیں ہوا۔ ان کی یکسانیت اور ان کے
بے خطا ہونے پر ہی ساری کائنات کی بقا کا انحصار
ہے۔ جس قدر تم کائنات میں نفوذ کرو گے اسی قدر
ایک علیم و خبیر ہستی کا وجود نمایاں ہوتا چلا جائیگا
اور قرآن کریم کا یہ فرمودہ کہ

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ
(الیٰس ۳۹)

یہ غالب اور علم والے خدا کا مقرر کردہ قانون ہے
واضح سے واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔

اسی حقیقت کو ایک اور مقام پر اللہ تعالےٰ
نے یوں بیان فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ
مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ
هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ

ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ (الملک ۲-۵)

بہت برکت والا ہے وہ خدا جس کے قبضہ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی ہے جس نے سات آسمان درجہ بدرجہ (یا ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے) بنائے ہیں۔ اور تو رحمٰن خدا کی پیدائش میں کوئی رخنہ نہیں دیکھتا اور تو اپنی آنکھ کو ادھر ادھر پھیر کر اچھی طرح سے دیکھ لے، کیا تجھے (خدا کی مخلوق میں کسی جگہ بھی) کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نظر کو چکر دے وہ آخر تیری طرف ناکام ہو کر لوٹ آئے گی۔ اور وہ تھکی ہوئی ہوگی (اور کوئی رخنہ نظر نہ آئے گا)

اس کارخانۂ عالم میں تمام اشیاء کا ایک معین قانون کے مطابق کام کرتے چلے جانا اور ان میں کبھی خطا یا انحراف کا پایا نہ جانا بتلاتا ہے کہ ایک علیم وحکیم اور قادر و مقتدر ہستی اس کو چلا رہی ہے۔ یہ سارا نظام نہ صرف خدا تعالےٰ کی ہستی بلکہ اس کے واحد و یگانہ ہونے پر محکم دلیل ہے جس قدر تم تحقیق اور کائنات میں نفوذ میں آگے بڑھو گے اسی قدر خدائے قادر و توانا کا وجود تمہارے سامنے آتا جائے گا۔ اور اس کی ہستی پر مزید شہادت تمہیں دستیاب ہوگی۔ تمہاری تحقیق خود تم پر حجت قائم کرے گی کہ اس کائنات کا ایک عزیز و علیم ناظم اور خالق و مالک ہے جس سے روگردانی ہلاکت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

سُلْطٰن کے دوسرے معنی تسلط اور غلبہ کے ہیں۔ ان معنوں کی رُو سے اِلَّا بِسُلْطٰنٍ کے یہ معنی ہونگے کہ ہم نے کائنات میں جو قوانین جاری کر دیئے ہیں ان کے سامنے بہرحال تمہیں سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ ان قوانین کو نظرانداز کرکے یا ان کے خلاف عمل کرکے تم کامیابی حاصل کر سکو۔ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ میں بڑے زور سے تحدی کی ہے کہ ہم نے بحیثیت خالق و مالک۔ کائنات میں ایک نظام قائم کیا ہے اور اس کے ذرہ ذرہ میں اس نظام کی کارفرمائی ہے تم اس نظام کو قانونِ قدرت یا *Laws of Nature* کہتے ہو۔ اس کا تم کچھ بھی نام رکھ لو۔ یہ جبری قانون ہمارے تسلط اور غلبہ کی نشانی ہے۔ جو اس سے ٹکراتا یا اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ فوری ہلاکت سے دوچار ہو جاتا ہے پس تم سائنس اور ٹکنالوجی میں خواہ کس قدر بھی ترقی کر لو ہمارے بنائے ہوئے قوانین سے کسی صورت بھی انحراف نہیں کر سکو گے اور جو نفوذ بھی کائنات میں تمہیں حاصل ہوگا۔ وہ ان قوانین کی رعایت رکھتے ہوئے ہی حاصل ہوگا۔ مثلاً خدا کا رائج کردہ قانون یہ ہے کہ انسان ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اب یہ نہیں ہو سکتا کہ جہاں ہوا نہ ہو وہاں انسان زندہ رہ سکے۔

اِلَّا بِسُلْطٰنٍ کے الفاظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تم کائنات میں نفوذ اس وقت تک نہیں کر سکو گے جب تک کہ تمام ضروری شرائط اور قوانین کو دریافت کرکے خلائی سائنس پر حاوی نہ ہو جاؤ اور متعلقہ مسائل

کی تمام جزئیات کی چھان بین کر کے ان پر پوری طرح عبور حاصل نہ کر لو۔ وہ راکٹ جس سے خلائیں جاتے ہیں سینکڑوں پیچیدہ پرزوں پر مشتمل ہوتا ہے ان میں سے ایک پرزہ بھی اپنا کام درست طور پر نہ کرے تو سارا مشن ناکام ہو سکتا ہے۔ زمین سے روانہ ہو کر ٹھیک رفتار سے ٹھیک سمت پر چلتے رہنا، ٹھیک وقت پر منزل مقصود پر پہنچنا اور ٹھیک وقت پر وہاں سے روانگی اور زمین پر واپسی یہ سب اِلَّا بِسُلْطٰن میں شامل ہیں۔ جو قوانین کائنات میں کارفرما ہیں ان پر اب اس حد تک انسان کو عبور حاصل ہو گیا ہے کہ وہ ایک خاص مشن مثلاً چاند پر پہنچنے کے لئے جن حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا ریاضیاتی ضابطوں کے ذریعہ اور خود کار مشینوں کی مدد سے بالکل صحیح اندازہ لگاتا اور اس کے مطابق ضروری سامان تیار کرتا ہے۔ اگر ان حسابات میں کسی پہلو سے ذرا بھی غلطی ہو جاتے تو ناکامی اور ہلاکت یقینی ہے یہ سب اندازے قدرت کے معینہ قوانین کے مطابق ہوتے ہیں۔ اب یہ قواعد و ضوابط جن کی پابندی کے سوا انسان کے لئے چارہ نہیں اس خدا کے تجویز کردہ ہیں جن کا روسی سائنسدان انکار کرتے ہیں تف ہے ایسی عقل و دانش پر جو اس قدر تجربات و مشاہدات کے باوجود صانع حقیقی کو شناخت نہ کر سکے اور قوانین کی اس قدر صحت اور یکسانیت کے باوجود ان کی کارفرمائی کو محض یہ کہکر ٹلا دے کہ یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے۔ اگر ایک زبردست ہستی اس نظام کو نہیں چلا رہی تو کیا وجہ ہے کہ انسان ان قوانین میں حسب منشاء تغیر کرنے پر قادر نہیں ہو سکا۔

سورۃ الرحمٰن کے اس واضح بیان کے علاوہ قرآن کریم میں اس امر کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ ایک زمانہ میں (جو قرآن کے مطابق یاجوج ماجوج کے خروج اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے قریب کا زمانہ ہے) زمین پھیلا دی جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ (انشقاق ۴) یعنی اس زمانہ میں یہ ثابت ہو جائے گا کہ بعض کرے جو بظاہر آسمان کے ساتھ وابستہ نظر آتے ہیں وہ زمین کا ہی ایک معنوں میں حصہ ہیں جیسا کہ مثلاً چاند۔ قریباً سب سائنسدان اس امر پر متفق ہیں کہ چاند ابتداءً ہماری زمین کا ہی ایک حصہ تھا لیکن بعض تغیرات کی وجہ سے وہ الگ ہو گیا۔ اس آیت میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ اس کا زمین سے رابطہ قائم ہو جائیگا اور اہل زمین اس سے بھی فائدہ اٹھانا شروع کر دینگے یا یہ کہ وہ بھی انسانی تجربات کی آماجگاہ بن جائے گا اور ایسا معلوم ہونے لگے گا کہ گویا وہ زمین کا ہی ایک حصہ ہے۔ چاند سے اگر اسی طرح فائدہ اٹھایا جانے لگے۔ جیسے زمین سے اُٹھایا جاتا ہے۔ تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ زمین پھیل گئی ہے یہ آیت سورۃ انشقاق کی ہے اور اس آیت سے قبل اور بعد جو باتیں بھی بیان کی گئی ہیں وہ سب اسی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب ساری

آیات پر یکجائی نظر ڈالی جائے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کا کوئی بڑا عالم حالات حاضرہ پر روشنی ڈال رہا ہے۔ لیکن یہ بیان آج سے ۱۴۰۰ سال قبل کا ہے اور ایک امی شخص کی زبان پر جاری ہوا۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔ کس قدر برکت والا ہے وہ خدا جس نے سکھایا اور کیسا بابرکت ہے وہ وجود جس نے اپنے رب سے یہ سب کچھ اس وقت سیکھا جبکہ دنیا ان امور سے بالکل غافل تھی اور یہ اس لئے ہوا کہ سائنس و ٹکنالوجی کے اس دور میں ظاہری علوم میں دسترس رکھنے والوں کو ایک زندہ خدا کا زندہ نشان نظر آئے اور انہیں اپنے رب کی ملاقات پر یقین پیدا ہو۔ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُوْنَ۔

یہ تو صرف اس زمین کے پھیلائے جانے کا ذکر ہے جس میں ہم بود و باش رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم تو یہ بھی فرماتا ہے کہ ہم نے ایک زمین نہیں بلکہ سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا کی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ
سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ
يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ
لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ
قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عِلْمًا۔ (الطلاق ۱۳)

یعنی اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے ہیں اور زمینیں بھی آسمانوں کے عدد کے مطابق (پیدا کی ہیں) ان (آسمانوں اور زمینوں) کے درمیان اس کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی طرح اللہ ہر چیز کا علم سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔

سَبْعَ کا لفظ عربی زبان میں معین طور پر سات کے عدد کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اور بڑی تعداد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ شاید ابھی وقت نہیں آیا کہ سبع یعنی سات کی صحیح یا پوری تشریح بیان کی جائے۔ لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم سات زمینیں تو ضرور خدا نے بنائی ہیں۔ اور اگر زمین سے مراد وہ کرے لئے جائیں۔ جہاں مخلوق آباد ہو تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ کم از کم سات کروں میں آبادی ضرور پائی جاتی ہے۔ وہ آبادی کیسی ہے اور ان کا ہمارے ساتھ کیا جوڑ ہوگا۔ یہ تو شاید ابھی دُور کی بات ہے لیکن یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ مختلف کروں میں آبادی کے پائے جانے کا بار بار قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے اس نقطہ نگاہ سے میں نے سارے قرآن کریم کو تو نہیں دیکھا لیکن روزمرہ کی تلاوت کے دوران سورۃ بنی اسرائیل سے لے کر سورۃ الرحمٰن تک کم از کم ۱۰ جگہ یہ بیان میں نے نوٹ کیا تھا چند آیات اس وقت پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ۔

(الروم ۲۷)

اور آسمانوں میں اور زمین میں بسنے والے تمام وجود اس کے فرمانبردار ہیں۔

(۲) وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بنی اسرائیل ۵۶)

اور جو وجود بھی آسمانوں اور زمین میں بسنے والے ہیں انہیں تمہارا رب سب سے زیادہ جانتا ہے۔

(۳) تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

(بنی اسرائیل ۴۵)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں بسنے والے ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں اور (دنیا کی) ہر چیز اس کی تعریف کرتی ہوئی (اس کی) تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان (اشیاء) کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

(۴) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۔

(النور ۴۲)

کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ وہ ہے کہ جو آسمانوں اور زمین میں رہتے ہیں۔ سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور پرندے صف باندھے ہوئے اس کے سامنے حاضر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک (اپنی پیدائش کے مطابق) اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

(۵) وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ

(الزمر ۶۹)

اور بگل میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے اس پر ایک بیہوشی طاری ہو جائے گی سوائے اس (شخص) کے جس کو اللہ چاہیگا (کہ بچائے) پھر دوسری دفعہ بگل میں پھونکا جائیگا اور اچانک وہ سب (اپنے متعلق) فیصلہ کا انتظار کرتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

(۶) يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ۔ (الرحمٰن ۳۰)

آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ اسی سے اپنی ضرورتیں طلب کرتا ہے۔ وہ ہر وقت ایک نئی حالت میں ہوتا ہے۔

پھر آسمانوں اور زمینوں کی مختلف آبادیوں میں باہمی ربط و اتصال کا بھی واضح رنگ میں ذکر موجود

ہے جیسا کہ فرمایا

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا
مِنْ دَآبَّةٍ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ
اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ۔ (الشوریٰ ۳۰)

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان جانداروں کی قسم سے اس نے پھیلایا ہے۔ اس کے نشانوں میں سے ہے اور وہ جب چاہیگا ان سب کے جمع کرنے پر قادر ہوگا۔ اس آیت میں اگرچہ دَآبَّة یعنی جانداروں کا ذکر ہے جس میں انسان اور حیوان سب ہی شامل ہیں۔ لیکن جَمْعِهِمْ کے لفظ میں جو ضمیر ھم کی استعمال کی گئی ہے وہ ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف کرّوں میں ذوی العقول پائے جائیں گے اور مناسب وقت آنے پر اللہ تعالےٰ ان کو جمع کر دے گا۔

مواصلاتی لحاظ سے تو مختلف کرّوں کا اتصال ایک حد تک اور ایک پہلو سے اس وقت بھی ہو چکا ہے یعنی زمین سے بھیجے ہوئے (سگنل یا پیغامات) مختلف کرّوں تک پہنچے ہیں اور وہاں سے لَوٹ کر واپس آئے ہیں گویا پیغام رسانی کی حد تک تو مختلف کُرّے اب بھی جمع ہو گئے ہیں۔ یا جمع ہونے لگے ہیں۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب ان میں بسنے والی مخلوق میں بھی اتصال اور ربط پیدا ہو جائے گا۔ یہ مضمون لکھتے وقت اتفاق سے اردو ڈائجسٹ کا

اکتوبر ۱۹۶۸ء کا شمارہ سامنے میز پر پڑا تھا۔ میں نے یونہی اس کے مضامین پر جو سرسری نظر ڈالی تو اس میں ایک عنوان یہ دیکھا "آسمان سے اترنے والے بونے"۔ یہ عنوان میرے مضمون سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے میں نے دلچسپی سے پورے مضمون کا مطالعہ کیا۔ اس مضمون میں مختلف وقتوں اور مختلف ملکوں میں اڑن طشتریوں اور ان کے ذریعہ اترنے والی آسمانی مخلوق کا ذکر ہے۔ بیان کردہ واقعات کہاں تک درست ہیں۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اتنے مشاہدات کو محض فرضی قصے کہکر بالکل نظرانداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے ان میں صداقت ہو۔ بہرکیف قرآن کریم نے تو آسمانی مخلوق کا ذکر متعدد بار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ان کا اہل زمین کے ساتھ رابطہ قائم ہو جائیگا۔ پس ہمیں یقین ہے کہ اس رنگ میں کائنات کی تسخیر ہوتی چلی جائے گی اور خدا کی باتیں پوری ہوں گی۔ یہ کب اور کیسے ہوگا۔ یہ تو عالم الغیب خدا ہی جانتا ہے۔

وعندہٗ مفاتح الغیب
لا یعلمھا اِلّا ھو۔ (الانعام ۶۰)

اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ سوائے اس کے ان (غیبوں) کو کوئی نہیں جانتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان دوسرے کرّوں تک پہنچ سکتا ہے اور وہاں بھی قضائے الٰہی سے موت آسکتی ہے تو پھر قرآن کریم کی اس آیت کا کیا مطلب ہوگا کہ

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ قَالَ
فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ
وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ۔ (الاعراف ۲۶)

اور تمہارے لئے اسی زمین میں ٹھکانا ہوگا اور کچھ مدت تک فائدہ اٹھانا مقدر ہوگا۔ پھر فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہوگے اور اسی میں تم مروگے اور اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے۔ ہم تو اس آیت سے اب تک یہ استدلال کرتے رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اس زمین میں ہی تم زندہ رہوگے اسی میں تم مروگے اور اسی میں سے ہی تم اٹھائے جاؤ گے۔

سرسری نظر سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس آیت کے ہوتے ہوئے زمین سے نکلنے کا کوئی امکان نہیں اور اس آیت اور سورۃ الرحمٰن کی آیات کے مضمون میں تناقض پایا جاتا ہے جہاں دوسرے کرّوں تک نفوذ کے امکان کو تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ قرآن کریم میں کوئی تناقض نہیں اس کے نازل کرنے والے نے جس کے علم میں ہر چیز موجود ہے خود بڑے زور سے تناقض کی نفی کی ہے اس لئے جہاں ہمیں تناقض معلوم ہو وہ دراصل ہمارے فہم کا ہی قصور ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات کی پوری تشریح اپنے وقت پر ہی ہوتی ہے۔ باوجود چاند تک رسائی کے اور باوجود مریخ وغیرہ دوسرے کروں تک پہنچ جانے کے امکان کے سب آیات اپنی اپنی جگہ بالکل درست ہیں اور ان میں کوئی تناقض نہیں۔ فِيهَا تَحْيَوْنَ والی آیت بدستور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کی محکم دلیل ہے۔ فِيهَا تَحْيَوْنَ میں یہ بتایا ہے کہ انسان کی زندگی اور موت کے اسباب اسی زمین سے وابستہ ہیں۔ انسان ایک خاص ماحول کا عادی ہے اور اسی ماحول میں زندہ رہ سکتا ہے۔ مثلاً اسے ہوا اور پانی کی ضرورت ہے، ایک خاص درجہ حرارت اور خاص ہوا کے دباؤ کی ضرورت ہے جہاں ہوا اور پانی نہ ہوگا۔ جہاں درجہ حرارت اور ہوا کا دباؤ مناسب حال نہ ہوگا۔ وہاں موت واقع ہوجائے گی۔ اسی مناسب ماحول کو الارض کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جو خلاباز اپالو ۱۱-۱۲ میں چاند پر گئے وہ اسی زمینی ماحول کو اپنے ساتھ لئے ہوئے تھے۔ وہ زمین کی ہوا میں سانس لیتے رہے زمینی غذاؤں اور مشروبات کو استعمال کرتے رہے اور ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس ماحول سے جُدا نہیں ہوئے۔ چاند پر ہوتے ہوئے بھی وہ زمین کے ماحول سے جدا نہیں ہوئے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ چاند پر پہنچ کر بھی وہ زمین میں ہی رہے۔ اگر ان کے خلائی لباس پھٹ جاتے یا آکسیجن کا ذخیرہ کسی طرح ضائع ہوجاتا تو موت یقینی تھی۔ فِيهَا تَحْيَوْنَ والی آیت میں فیھا پہلے رکھکر حصر کیا کہ اسی ماحول سے ہی زندگی اور بقا وابستہ ہے۔ جب یہ میسّر ہوگا زندگی قائم رہے گی لیکن

جب میسر نہ ہوگا تو زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ چاند پر یا خلائی راستوں پر موت واقع نہیں ہوگی۔ اور انسان جب بھی مرے گا زمین پر آکر ہی مرے گا۔ ایسا نہیں اس آیت میں دو مرتبہ فِیْھَا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فِیْھَا تَحْیَوْنَ والے ٹکڑے میں فِیْ تعلیلیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حیات و بقا کے اسباب اس زمینی ماحول کے ساتھ وابستہ کر دیئے گئے ہیں۔ ان سامانوں سے الگ ہو کر یا ان سے بے نیاز ہو کر ایک لحظہ کے لئے بھی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔

اس جگہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ فِیْھَا تَحْیَوْنَ کی مندرجہ بالا تشریح سے ایک اشتباہ بھی پیدا ہو سکتا تھا۔ اور وہ یہ کہ اگر الارض والا مناسب ماحول میسر رہے تو شاید انسان ہمیشہ ہی زندہ رہے اس کی نفی کے لئے آیت کا دوسرا ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا۔ فِیْھَا تَمُوْتُوْنَ۔ ان اسبابِ حیات و بقا کے میسر آنے کے باوجود اور ان میں رہتے ہوئے بھی ایک دن زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ سامان حیات موت سے بچا نہیں سکیں گے۔ فِیْھَا تَمُوْتُوْنَ ان سامانوں میں اور ان کی موجودگی کے باوصف موت کا دن ضرور آئے گا اور اس سے کوئی مفر نہیں۔

اب دیکھ لیجئے جو لوگ حضرت عیسٰے علیہ السلام کو زندہ مانتے ہیں وہ یہ تو نہیں کہتے کہ ان کے لئے آسمان پر ہوا، پانی اور غذا وغیرہ موجود ہے جب یہ سامان وہاں میسر نہیں اور آیت فِیْھَا تَحْیَوْنَ میں حصر کیا ہے کہ اس مخصوص ماحول کے بغیر زندگی ممکن نہیں تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عیسٰے ؑ آسمان پر نہیں گئے۔

آیت کے تیسرے ٹکڑے، وَمِنْھَا تُخْرَجُوْنَ اور اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے کا مفہوم یہ ہے کہ زمین کی غذاؤں سے ہی انسان کا جسم اور اس کی روح بنتی اور پرورش پاتی ہے۔ موت کے بعد جسم تو بے شک مٹی میں مل کر تحلیل ہو جاتا ہے لیکن روح باقی رکھی جاتی ہے۔ اور اس کو ایک لطیف جسم عطا کیا جاتا ہے۔ جس طرح زمینی غذاؤں سے ہمارا یہ خاکی جسم تیار ہوتا ہے اسی طرح زندگی میں کئے ہوئے اعمال سے روحانی جسم تیار ہوتا ہے۔ تو فرمایا جب بعث بعد الموت کا وقت آئے گا اور جزا سزا کے لئے میزان قائم کی جائے گی تو ہم تم کو دوبارہ زندہ کریں گے۔ تمہاری روح کو جو جسم اُس وقت عطا کیا جائے گا اس کی بنیاد وہ اعمال ہونگے جو تم نے الارض میں رہتے ہوئے کئے تھے۔ اس حشر کے وقت گویا اسی زمین سے تم پیدا کئے جاؤ گے اس وقت تمہارے جسم اور تمہاری روح کی کیفیات ان اعمال و افعال سے بنیں گی جو تم نے اس دنیا میں رہتے ہوئے کئے ہوں گے۔

غرض آیت وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ میں الارض سے مراد کرہ زمین نہیں بلکہ وہ مخصوص ماحول ہے جس سے حیات وابستہ ہے۔ اس ماحول میں انسان کے لئے قیام

مقدر ہے اور تھوڑی سی مدت کے لئے زندگی سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے آیت فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ درحقیقت اس سے پہلی آیت یعنی وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ کی ہی تشریح ہے اور اس کے معنوں کی وضاحت کرتی ہے

اس تشریح کی روشنی میں قرآنی آیات میں جو تناقض بظاہر نظر آتا تھا وہ باقی نہیں رہتا حق یہ ہے کہ اس زمینی ماحول میں ہی انسان کے لئے حیات مقدر ہے لیکن زندگی کے سانس محدود اور معین ہیں۔ اس لئے سامانوں کے باوجود انسان ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا۔ بلکہ موت بھی ضرور آئے گی۔ تاکہ جزا سزا کا سلسلہ جاری ہو۔ اپنی زندگی کے دوران انسان خواہ چاند پر جائے یا مریخ پر یا کسی اور کرہ پر اس سے قرآن کریم کی کسی آیت پر زد نہیں پڑتی اور نہ اس کی بیان کردہ صداقتوں میں کہیں اختلاف یا تضاد ہے۔ علوم کی ترقی تو قرآنی حقائق کو اجاگر کرتی اور خدائے بزرگ و برتر کی ہستی کو ایسے رنگ میں سامنے لے آتی ہے کہ انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جیسے جیسے علم ترقی کرے گا قرآنی مطالب اور حقائق اور واضح ہوتے چلے جائیں گے اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ایمان اور یقین کا تازہ سامان فراہم ہوتا رہے گا۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم ایک زندہ رسول اور قرآن کریم ایک زندہ کتاب ہے۔ ہر زمانہ کے لئے انکشافات خدائے تعالےٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر اور اسی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی صداقت کے تازہ ثبوت مہیا کرتے رہیں گے اور کوئی زمانہ ایسا نہ ہوگا جب تازہ نشانوں کا سلسلہ بند ہو جائے۔ اور صرف پرانے قصوں پر انحصار رہے۔"

جب ہم ان آیات پر جن میں کائنات کی تخلیق اور اس کی تسخیر کا ذکر ہے بحیثیت مجموعی نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا ہے۔ کہ وہ اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اور عالمین کا یہ سارا نظام اس کے حکم سے اور اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق چل رہا ہے۔ وہ قادر و توانا اور واحد و یگانہ ہے۔ اس نے کائنات میں اس قدر وسعت رکھی ہے۔ کہ اس کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے ہزاروں لاکھوں نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہے۔ (نوری سال کا مطلب یہ ہے کہ اگر روشنی مسلسل ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی ثانیہ کی رفتار سے سال بھر چلتی رہے تو جو فاصلہ طے ہوگا اسے ایک نوری سال کہتے ہیں) سماوی اجرام تعداد کے لحاظ سے اگرچہ ان گنت ہیں مگر وہ سب ایک مضبوط اور محکم نظام میں پروئے ہوئے ہیں کہیں تصادم نہیں تماثل نہیں، تناقض نہیں۔ ہر شے اپنی اپنی جگہ بلا توقف اور بلا روک ٹوک مفوضہ کام سرانجام

دیئے چلی جارہی ہے۔ اتنے وسیع و عریض کائنات کی تخلیق اور اس میں پائے جانے والے نظام کی وحدت بلاشبہ ایک عزیز و مقتدر خالق اور ایک حکیم و خبیر صانع پر دلالت کرتی ہے۔

بار بار اس خلق اور اسی نظام کو پیش کر کے اللہ تعالےٰ کہتا ہے کہ اے انسان! جو مشاہدات و حقائق پر اپنے علم کی بنیاد رکھنے کا عادی بن چکا ہے اور اس پر نازاں بھی ہے کیا کوئی مثال تجھے ایسی نظر آتی ہے جہاں کوئی نظام بغیر کسی ناظم کے قائم رہا ہو۔ اگر ایک مثال بھی تجھے نہیں ملتی تو پھر اپنی فطرت کی آواز کو کیوں ٹھکراتا ہے اور کیوں تسلیم نہیں کرتا کہ ھُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّار۔ تیری عقل کیسے باور کرسکتی ہے کہ یہ وسیع کہکشائیں اور سحاب خود بخود پیدا ہو گئے اور ان میں ایک بے عیب نظام خود بخود جاری بھی ہو گیا۔ تو جس قدر کائنات میں پھرے گا اور خلاؤں کی تسخیر کرے گا اسی قدر تجھ پر یہ بات واضح ہو گی کہ جس خدا نے تیری خاطر اس قدر انتظام و اہتمام کیا وہ بڑی قدرتوں کا مالک ہے۔ اس نے یہ سب کچھ کھیل کے طور پر اور عبث نہیں بنایا۔ اس کی ایک ہی غرض ہے کہ اپنے خالق و مالک کی قدرتوں اور اس کے احسانوں اور کرم فرمائیوں کو دیکھ کر عجز و نیاز کے ساتھ اس کے سامنے جھک جائے اور اس کی حمد کے ترانے گائے تا وہ راضی ہو اور اپنے مزید فضلوں سے تجھے نوازے۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو قرآن حکیم پر غور و فکر کرنے اور اس سے صحیح رنگ میں فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مکرم پروفیسر رفیق احمد صاحب ثاقب
مہتمم صنعت و تجارت مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

شعبہ صنعت و تجارت کے پروگرام کی اہمیّت

حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین رزق وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے حاصل کیا جائے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں محنت و مشقت کے کتنے کام خود اپنے ہاتھ سے ہی کرتے رہے۔ آپؐ نے ایک دفعہ اپنے ایک محنت کش غریب صحابی کے ہاتھوں کو دیکھا جو انتہائی مشقت طلب کاموں کے باعث سخت کھردرے ہو چکے تھے۔ اور انہیں چوم لیا۔ آپؐ کا یہ فعل رہتی دنیا تک کے مزدوروں اور کاریگروں کے لئے باعث فخر اور انتہائی عزت افزائی کا موجب ہے۔ اسی طرح ابتدائی زندگی میں حضورؐ نے خود تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اور اسے بہترین پیشوں میں شمار کر کے اس پیشے کی اہمیّت اور افادیت کی نشان دہی فرمائی۔

آجکل نوجوانوں میں سستی اور بیکاری کی ایک عام رَو پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی کم ہمتی اور جھوٹے وقار کے غلط جذبے کے تحت تجارت یا صنعت ایسے مفید پیشے اختیار کرنے سے ہچکچاتے ہیں اور اس کی بجائے تعلیم سے فراغت کے بعد محض کلرکی پر اکتفا کر کے اپنی ساری استعدادوں کو دبا دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ مختلف ٹیکنیکل کام سیکھیں اور انہیں بطور پیشہ اختیار کر لیں تو یہ اقتصادی لحاظ سے ان کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہوگا اور ملک و قوم کے لئے بھی فائدہ مند ہوگا۔

مجلس خدام الاحمدیہ کے پروگراموں کا ایک اہم حصہ نوجوانوں میں سستی اور بیکاری کو ختم کرنا اور تجارت اور صنعت کے معزز پیشوں کے وقار کو پھر سے قائم کرنا اور مشقت طلب کاموں کی عادت پیدا کرنا ہے۔ سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ اسکے متعلق خاص طور پر ہمیں تلقین فرماتے رہے ہیں۔ حضور کی یہ ہدایات ہمارے لئے بطور مشعلِ راہ ہیں۔ اور ہر وقت ہمارے پیش نظر رہنی چاہئیں۔ مثلاً حضورؓ فرماتے ہیں:۔

> "میں نے اپنی جماعت میں خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کو اس غرض کے لئے قائم کیا ہے کہ وہ محنت کریں۔ اور مشقت طلب کاموں کی اپنے اندر عادت پیدا کریں۔ جب تک انسان اپنے وقت کو ضائع ہونے سے نہیں بچاتا۔ اسے خدا نہیں مل سکتا۔ خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے قیام کا اصل مقصد یہ ہے کہ جماعت میں مشقت طلب کاموں کی عادت

پیدا ہو اور ہر فرد کسی نہ کسی کام میں مشغول رہے۔"

پھر آپؓ نے نوجوانوں کو نصیحتاً فرمایا:-

"مَیں اپنے نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ وہ تعلیم محض اس لئے حاصل نہ کریں۔ کہ اس کے نتیجہ میں انہیں نوکریاں مل جائیں گی۔ نوکریاں قوم کو کھلانے کا موجب نہیں ہوتیں بلکہ نوکر ملک کی دولت کو کھاتے ہیں اگر تم تجارت کرتے ہو صنعتوں میں حصّہ لیتے ہو۔ ایجادوں میں لگ جاتے ہو تو تم ملک کو کھلاتے ہو اور یہ صاف بات ہے کہ کھلانے والا کھانے والے سے بہتر ہوتا ہے۔ نوکریاں بے شک ضروری ہیں لیکن یہ نہیں کہ ہم سب نوکریوں کی طرف متوجہ ہو جائیں ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ ہم زیادہ سے زیادہ پیشے اختیار کریں تاکہ ملک کو ترقی حاصل ہو۔"

(فرمودہ ۲۱ / ۱۱ / ۱۹۵۲ مطبوعہ الفضل ۱۴ / ۱۲ / ۱۹۵۲)

مختلف صنعتی کاموں کی اہمیت اور افادیت اور بوقت ضرورت کام آسکنے کے پیش نظر حضورؓ نے خدام کے سالانہ اجتماع ۱۹۵۳ء کے موقعہ پر خاص طور پر توجہ دلائی کہ ہر خادم اپنے موجودہ پیشے کے علاوہ کوئی نہ کوئی اور پیشہ بھی سیکھے اس کے ساتھ ہی حضورؓ نے خدام کو یہ نصیحت بھی فرمائی تھی کہ جو خدام کوئی ہنر جانتے ہیں وہ یہ ہنر دوسروں کو سکھانے کا اہتمام کریں۔ مثلاً جو نجار ہیں وہ دوسروں کو نجاری کا کام سکھائیں۔ لوہار، لوہار کا کام سکھائیں۔ تاجر، تجارت کا کام سکھلائیں۔ اسی طرح دوسرے پیشہ ور اپنے ہنر سکھائیں۔ کوئی نہ کوئی ہنر جاننا انسان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اور بعض مواقع پر یہ سیکھے ہوئے بظاہر معمولی سے ہنر یا پیشے انسان کے خوب کام آسکتے ہیں۔ نیز عام حالات میں بھی انسان ان کے ذریعے زائد آمد پیدا کر سکتا ہے۔ اور اس سے خود بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ دوسروں کی بھی مدد کر سکتا ہے اور زیادہ چندے ادا کر کے زیادہ ثواب بھی حاصل کر سکتا ہے اور اپنی عاقبت بھی سنوار سکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں خدام کو خصوصی طور پر متوجہ کرتے ہوئے حضورؓ نے تاکیداً فرمایا:-

"ایک اور بات جس کی طرف مَیں نے پہلے بھی توجہ دلائی ہے مگر اب تک توجہ نہیں کی گئی۔ وہ یہ ہے کہ ہر خادم کو کوئی نہ کوئی ہنر ضرور آنا چاہیئے پڑھنا لکھنا غیر طبعی چیز ہے۔ اور ہنر طبعی چیز ہے۔ جو ہر جگہ کام کر سکتی ہے مثلاً معماری ہے۔ لوہاری ہے نجاری ہے۔ یا اسی قسم کے اور پیشے ہیں۔ پیشہ ور ہر جگہ اپنے گزارے

کی صورت پیدا کر لیتا ہے۔ اور لوگ
اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ
کو اگر اچھی عربی آتی ہے اور آپ افغانستان
چلے جائیں تو آپ کی کوئی قیمت نہیں
لیکن اگر آپ لوہار معمار یا نجار کا
کام جانتے ہیں یا آپ درزی ہیں یا
آپ کو تانا بانا جانتے ہیں تو آپ کی
بڑی قیمت ہے۔ اسی طرح آپ کو
اچھی انگریزی آتی ہے اور آپ
آزاد علاقے (قبائلی علاقے۔ ناقل) میں
چلے جائیں تو آپ کی کوئی قیمت نہیں
لیکن اگر آپ لوہار کا کام جانتے ہیں
یا اچھے بڑھئی ہیں تو وہ آپ کو سر پر
اٹھا لیں گے یہی حال جرمنی اور فرانس
وغیرہ کا ہے وہاں بھی محض علم کی کوئی
قیمت نہیں۔ لیکن اگر آپ کو کوئی
پیشہ آتا ہے تو آپ کی بڑی قیمت ہے۔"

اسی طرح آپ نے اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی مفید
عادات کے فوائد یوں گنوائے ہیں:۔

"جس قوم میں یہ (ہاتھ سے کام کرنے
کی) عادت پیدا ہو جائے۔ اس کی
اقتصادی حالت اچھی ہو جائے گی
اس سے سوال کی عادت دور ہو جائیگی
اس کے افراد میں سستی نہیں پیدا
ہوگی۔ پھر ان لوگوں کی اقتصادی
حالت اچھی ہوگی وہ چندے بھی زیادہ
سے زیادہ دے سکیں گے۔ بچوں کو
تعلیم دلائیں گے اور اس طرح ان کی
اخلاقی حالت درست ہو جائے گی۔"

مندرجہ بالا سطور سے اس بات کی اہمیت نہایت
واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔ کہ احباب جماعت
کو صنعت و تجارت کی طرف بہت توجہ کرنی چاہیئے اور
پیشوں کا انتخاب کرتے وقت تجارت اور ٹیکنیکل
کاموں کو خصوصی ترجیح دینے کی ضرورت ہے۔ دوسرے
ہر خادم کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ تعلیم میں ترقی
کرنے اور اپنے پیشے میں کمال حاصل کرنے کے علاوہ
دوسرے ہنر بھی سیکھے۔ کم از کم ایک زائد ہنر جاننا
جسے بوقت ضرورت پیشے کے طور پر اختیار کیا جا سکے
تو حضرت المصلح الموعودؓ نے ان کے لئے لازمی قرار دیا
ہے۔ نیز نصیحت فرمائی ہے۔ کہ جو خدام کوئی ہنر جانتے
ہوں وہ یہ دوسروں کو بھی سکھا دیں۔ اس سلسلے میں
مجالس کی رہنمائی کے طور پر اور ان کی سہولت کے
لئے چند مفید کاموں کی فہرست دو الگ گروپوں کی
صورت میں پیش کی جاتی ہے۔ پہلا گروپ خاص
طور پر دیہاتی اور کم ترقی یافتہ نیم قصباتی مجالس
کے لئے موزوں ہے۔ اور دوسرا گروپ شہروں اور
صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ قصبات کے لئے زیادہ
بہتر ہے۔

گروپ نمبر ۱

۱۔ نجاری کا کام۔ (لکڑی کا کام)

۲۔ معماری کا کام ۔ (راج گیری)

۳۔ لوہار کا کام ۔

۴۔ جوتے بنانے کا کام

۵۔ ٹریکٹر ڈرائیونگ

۶۔ ٹریکٹر مکینک اور فیٹر کا کام

۷۔ کپڑا چھاپنے کا کام

۸۔ بان بٹنا اور چارپائی بُننا

۹۔ ٹوکریاں، چقیں اور صفیں بنانا۔

۱۰۔ لفافے بنانا۔

۱۱۔ قالین سازی اور کھڈی کا کام

۱۲۔ طبابت اور ڈسپنسنگ

۱۳۔ پولٹری فارم (مرغبانی)

۱۴۔ شہد کی مکھی پالنا۔

گروپ نمبر ۲

۱۔ رنگ و روغن اور فرنیچر پالش

۲۔ پینٹنگ اور آرٹ ڈیزائننگ

۳۔ فوٹو فریمنگ ۔

۴۔ ربڑ کی مہریں بنانا۔

۵۔ ریڈیو اور بجلی کا کام

۶۔ جلد سازی و ہینڈ بیگ بنانا

۷۔ بید یا نائلون سے کرسی بُننا

۸۔ لکڑی کے کھلونے اور ماڈل بنانا

۹۔ کپڑے چھاپنا۔

۱۰۔ صابن، تیل و عطریات بنانا۔

۱۱۔ سکواش، مربے، چٹنیاں بنانا۔

۱۲۔ کاغذ اور پلاسٹک کے لفافے بنانا

۱۳۔ کاغذی پھول بنانا۔

۱۴۔ سٹرا (تنکوں) سے سینری و قطعات بنانا۔

۱۵۔ ٹائپ و شارٹ ہینڈ

۱۶۔ خراد اور مکینیکل کام

ان متذکرہ کاموں کے علاوہ اور بھی بے شمار مفید کام موجود ہیں۔ جنہیں ہر شخص اپنے حالات اور پسند کے مطابق سیکھ کر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

جملہ ناظمین صنعت و تجارت کی خدمت میں خصوصی التماس ہے کہ وہ ایک تو خدام پر اس شعبہ کی اہمیت واضح کرتے ہوئے انہیں زیادہ سے زیادہ ٹیکنیکل کاموں کی طرف راغب کریں۔ اور دوسرے انہیں کوئی نہ کوئی مفید ہنر سیکھنے کی تلقین کریں۔ اور اگر ممکن ہو تو ایسے ہنر سکھانے کا خود انتظام بھی کردیں

مَیں امید کرتا ہوں کہ اگر مجالس حضرت المصلح الموعود کی ہدایات کے مطابق اس شعبہ کو اپنی پوری توجہ دیں اور اس کام میں دلچسپی لیں۔ تو یقیناً اس شعبہ کے بارہ میں مرکزی پروگرام کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوگی۔ انشاء اللہ۔

مبارک احمد عابد ربانی

سالِ نو

آج ان پھولوں میں اک اور نیا پھول کھلا
گلشنِ زیست میں جن پھولوں سے آتی ہے بہار
اک نئی شان شگفتہ سے گلوں کے لب پر
نرگسِ شام و سحر کی ہے نگاہوں میں خمار

چل پڑا قافلۂ وقت نیا عزم لئے
اپنی اس دُور۔ بہت دُور کی منزل کی طرف
جس کی راہوں میں حوادث کا ہے اک بحرِ عمیق
موت ہی موت ہے جس بحر کے ساحل کی طرف

جس کو ناکامی کے ہاتھوں نے بکھیرا یارو
اپنے ان کاموں کی زلفوں کو سنوارو تم بھی
دین و دنیا کی ترقی میں معاون جو بنیں
ایسے ہمدرد سہاروں کو پکارو تم بھی

ہو سبھی کے لئے یہ سال مبارک عابدؔ
آؤ! ہم دین کی خدمت کا نیا عزم کریں
بس رہے دنیا میں اسلام کا جھنڈا ہی بلند
آؤ! ہم دنیا میں نغماتِ اخوت بھر دیں

گفتگو اور تقریر کے آداب

از روئے قرآن مجید

امسال مقابلہ مضمون نویسی کے لئے "گفتگو اور تقریر کے آداب از روئے قرآن مجید" مقرر کیا گیا ہے۔
خدام اس مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ شریک ہوں۔

(مہتمم تعلیم)

مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود

عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام

جملہ خدام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کم از کم ایک کتاب کا مطالعہ ہر ماہ ضرور کیا کریں۔ اگر مجالس اپنے ہاں تعلیمی کارڈز کی سکیم کو جاری کر کے بعد میں نگرانی بھی رکھیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ کی طرف خدام کو خاص توجہ پیدا ہو جائے گی۔

(مہتمم تعلیم)

مبائع محمد خاں شاہد

زیارتِ قادیان

وہ کون احمدی ہوگا جس کا دل ایک بار اُس ارض مقدسہ کی زیارت کو نہ تڑپتا ہوگا جس نے مسیح پاک علیہ السلام کے مبارک قدم چومے اس عاجز نے جب سے ہوش سنبھالا دل میں ایک شدید خواہش تھی اور وہ یہ کہ ایک بار دیارِ حبیبؑ کی زیارت نصیب ہوجائے اور میں اس مبارک گھڑی کا منتظر رہا جس میں میری یہ دیرینہ خواہش پوری ہونا تھی میری خوشی کی انتہا نہ تھی جب مجھے یہ علم ہوا کہ ۱۹۶۹ء کے قافلہ قادیان میں میرا نام بھی آگیا ہے - واقعاتِ سفر کو چھوڑتے ہوئے اپنی محبوب بستی قادیان دارالامان پہنچتا ہوں -

جب گاڑی قادیان کے ریلوے سٹیشن پر رُکی - سورج غروب ہوا ہی تھا شام کے دھندلکے میں سٹیشن پر اُترے تجسس بھری نگاہوں سے گردوپیش کا نظارہ کیا - حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اور بہت سے درویش بھائی جو صبح سے ہمارے منتظر تھے بڑے ہی تپاک سے ملے سامان چھکڑوں پر لادا گیا اور ہم پیدل اس پاکیزہ سرزمین پر چل رہے تھے جس نے مسیحائے زماں کے پاؤں دم بدم چومے تھے سٹیشن سے قیامگاہ تک کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ میل ہے دیکھتے ہی دیکھتے طے ہوگیا نمازوں کی ادائیگی اور کھانے سے فراغت کے بعد ۱۷ تاریخ کو ہمارے قافلہ نے اجتماعی طور پر مقامات مقدسہ بیت الدعا، بیت الذکر مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ بہشتی مقبرہ میں مزارِ مبارک اور دیگر مزاروں کی زیارت کا شرف حاصل کیا - قافلہ کی صورت میں سارے قادیان کی سیر کی گئی مساجد اور دیگر یادگاریں دیکھیں اور متبرک مقامات پر دعائیں کی گئیں چند گھنٹے اس سیر میں غیر محسوس طور پر گذر گئے اور واپس اپنی قیامگاہ پر آگئے - ۱۸-۱۹-۲۰ دسمبر جمعرات جمعہ ہفتہ جلسہ کا پروگرام تھا قادیان کے جلسہ میں ایک اجلاس دن کو گیارہ بجے سے ۲ بجے تک اور ایک اجلاس رات کو ۸ بجے سے دس بجے تک ہوتا ہے باقی وقت احباب کی انفرادی مشغولیتوں دعاؤں، ملاقات اور سیر کے لئے بچتا ہے -

جلسے کے تیسرے دن یعنی ۲۰ دسمبر کو ظہر و عصر کی نمازوں کی ادائیگی کے بعد مکرم امیر جماعت حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ نے اعلان فرمایا کہ اب تمام حاضرین جلسہ حسب دستور اجتماعی دعا کے لئے بہشتی مقبرہ جائیں گے - چنانچہ مزارِ مبارک پر اجتماعی دعا کی گئی اس کے بعد انفرادی طور پر دیگر بزرگوں کے مزاروں پر دعائیں کی گئیں اس موقعہ پر میں ایک خاص واقعہ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا حضرت امیر صاحب کی قیادت میں ہمارا قافلہ شہ نشین دیکھنے گیا شہ نشین سے مراد وہ جگہ ہے جہاں حضرت اقدس مسیح پاک علیہ السلام سیر کے دوران اکثر اپنے خدام کے ساتھ جلوہ افروز ہوا کرتے تھے اسکی تعمیرِ نَو کا معاملہ درپیش ہوا - ہمارے قافلہ کے امیر صاحب نے ہمارے لئے سعادتمندی کا ایک اہم موقعہ فراہم کیا اور پیشکش کی کہ اسکی تعمیر کا سارا خرچ ہمارا قافلہ ادا کرے گا چنانچہ تخمینہ لگایا گیا اور چھ ہزار روپیہ کی ادائیگی (کچھ نقد اور کچھ وعدہ کی صورت میں) قافلہ کے ۱۷۷ احباب نے

کو ہ۱۰ اس کے بعد واپسی ہوئی۔ ۲۱ دسمبر کو انفرادی مصروفیات رہیں۔ احباب سے ملنا۔ معلومات حاصل کرنا۔ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت۔ قادیان کی گلیوں کی دیوانہ وار سیر دعائیں غرض یہ دن دیکھتے دیکھتے گذر گیا۔ یوں تو چند دن جو ہمیں قادیان میں ٹھہرنے کا موقعہ ملا۔ وہ چند دن گھڑیوں کی صورت کٹ گئے اور دل کی پیاس پوری طرح نہ بجھی اور سیرابی پوری طرح حاصل نہ ہوئی تھی کہ ہمیں واپس لوٹنا پڑا۔

۲۱ تاریخ کو ہم نے واپسی کے لئے رختِ سفر باندھا اور ۷ بجے کے قریب سیرابی کے باوجود پیاسی نگاہیں۔ قادیان کے ہر در و دیوار پر دوڑاتے ہم سٹیشن کی جانب روانہ ہوئے۔ آخر میں مَیں اپنے درویش بزرگوں اور بھائیوں کی بے لوث خدمات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان میں سے ہر ایک اس آیت کا پورا مصداق نظر آتا تھا۔ ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة۔

درویش بھائیوں اور بزرگوں کے بارہ میں دلی جذبات کی ترجمانی شاید یہ اشعار کسی حد تک کر سکیں ؎

وقت آتا ہے مرے گوشہ نشینان چمن
ڈھونڈنے نکلے تب و تاب جہانبانی تمہیں
ایک دن جھک جائینگے جس در پہ شاہنشہ کے غرور
ہو مبارک آجکل اس در کی دربانی تمہیں

مجلس خدام الاحمدیہ اسلام آباد کا وقارِ عمل

اسلام آباد میں ایک عارضی مسجد تعمیر کی جا رہی ہے جو اب قریباً مکمل ہو گئی ہے اسی وجہ سے بھی وقارِ عمل کا ایک ذریعہ نکل آیا۔ ماہ نبوت کے دوران مجلس خدام الاحمدیہ اسلام آباد کے خدام نے اس مسجد پر دو بار وقارِ عمل کیا۔

پہلا وقارِ عمل ۱۶ ؍نبوت کو کیا گیا۔ مسجد کی چار دیواری کے دونوں طرف کی مٹی بارش کی وجہ سے بہہ گئی تھی اور خدشہ تھا کہ اب پھر بارش ہوئی تو دیوار گر جائے گی۔ خدام اس کام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے روزہ کی حالت میں بڑی بشاشت کے ساتھ وقتِ مقررہ پر موقع پر پہنچ گئے۔ مکرم قائد صاحب کی زیرِ نگرانی خدام نے بہت دلجمعی سے ایک گھنٹہ تک کام کیا۔ مسجد کی دیوار کو جو خطرہ درپیش تھا وہ اس وقارِ عمل کی وجہ سے کافی حد تک دور ہو گیا۔

تعمیر مسجد کے سلسلہ میں ہی دوسرا وقارِ عمل بہت ہی مختصر نوٹس پر ۲۰ ؍نبوت کو کیا گیا۔ اس دفعہ مسجد کی چھت پر گارا سے لپائی کی جانی تھی۔ خدام مٹی اور گارا کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پرجوش انداز سے کام کرتے رہے۔ گارا ختم ہو جانے کی وجہ سے گو چھت پر لپائی کا کام رُک گیا۔ لیکن خدام نے اگلے دن کے وقارِ عمل کے لئے مٹی کھود کر گارا بنانے کا انتظام کیا۔ اس وقارِ عمل میں محترم امیر صاحب خود خدام کی راہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے ان کے علاوہ مجلس انصار اللہ کے دیگر اراکین نے بھی وقارِ عمل میں شرکت کی۔ بزرگان کی حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں خدام نے خدا تعالےٰ کے فضل سے بڑے جوش و خروش سے وقارِ عمل میں حصہ لیا۔ اللہ تعالےٰ ہماری حقیر مساعی کو قبول فرمائے۔ اور بڑی بڑی خدماتِ دینیہ بجا لانے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(ناظم وقارِ عمل مجلس خدام الاحمدیہ اسلام آباد)

مکرم رانا محمد بخش صاحب مرحوم سیکنڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کی وفات پر سٹاف و طلبائے سکول کی

قرار دادِ تعزیت

اساتذہ و طلباء و دیگر کارکنان تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کا یہ خصوصی اجلاس ہمارے سکول کے ایک دیرینہ اور سینیئر استاد محترم رانا محمد بخش صاحب ایم۔ ایڈ کی ناگہانی وفات پر انتہائی رنج و الم کا اظہار کرتا ہے۔ محترم رانا صاحب مرحوم ۱۳½ سال سکول سے متعلق رہے اس تمام عرصہ میں انہیں زیادہ تر سکول کی اعلیٰ کلاسز کو پڑھانے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے اپنے مخصوص اندازِ تدریس سے نہ صرف طلباء کے دلوں میں اپنے لئے قدر و منزلت پیدا کی بلکہ شاندار نتائج دکھلائے تعلیم و تدریس کے علاوہ سکول ڈسپلن اور بچوں کی اخلاقی حالت کو بہتر سے بہتر کرنے کے لئے اپنی بیماری کے دوران بھی انتہائی محنت و مشقت سے کام لیا۔

گذشتہ چند ماہ سے آپ سکول کے سیکنڈ ماسٹر تھے اس لحاظ سے آپ پر تعلیمی ذمہ داریوں کے علاوہ سکول ڈسپلن اور دیگر دفتری ذمہ داریوں کا بوجھ بھی آن پڑا۔ آپ نے حتی المقدور اسے نبھانے کی کوشش کی آپ بڑے زندہ دل انسان تھے۔ گویا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ مدرسہ کے ہر کارکن سے آپ بڑی محبت سے ملتے یہی وجہ ہے کہ جسے بھی آپ کی وفات کی اطلاع ملی یا تو اسے یقین ہی نہیں آیا یا سنتے ہی دم بخود ہو کر رہ گیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر صرف ۴۹ سال تھی۔ قادیان کے جلسہ سالانہ پر گئے اور بارڈر سے پار ہی ہندوستان میں ریل کے سفر کے دوران رات کو بیمار ہوئے۔ ربوہ میں دو دن بیمار رہنے کے بعد فضل عمر ہسپتال میں دل کے عارضہ سے اپنے مولائے حقیقی کو جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دُعا ہے کہ مولا کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اپنے قرب سے نوازے انکے چھوٹے چھوٹے بچوں کا جو ابھی نابالغ ہیں ہر طرح سے حامی و ناصر ہو۔ اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ (ہم ہیں شریک غم اساتذہ و طلباء و دیگر کارکنان تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ)

ماہِ صلح (جنوری) کے چند اہم تاریخی واقعات

★ ماہ صلح (جنوری) ۶۲۸ء (۶ھ) میں حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان ایک صلحنامہ طے ہوا تھا جس کی رُو سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس سال تو عمرہ نہ کر سکے البتہ آئندہ سال عمرہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس صلحنامہ کی بعض اور شرائط بھی تھیں اسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔

★ ۲۲ جنوری ۱۸۸۶ء کو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مشہور تاریخی چلّے کا آغاز فرمایا جو حضور علیہ السلام نے اسلام کی صداقت اور غلبہ کے لئے ایک عظیم الشان نشان اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے ہوشیارپور میں اختیار فرمایا تھا۔ اسی چلّہ کے دوران دیگر نشانات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک جلیل القدر فرزند حضرت مصلح موعودؓ کی پیدائش کی بشارت دی۔

★ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو اُس "مسیحی نفس" کی ولادت ہوئی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق اسلام کی عظیم فتح و نصرت مقدر تھی۔ اور جس کی پیدائش کے متعلق ہوشیارپور کی چلّہ کشی کے دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عظیم الشان بشارات عطا فرمائی تھیں۔

★ ۳۱ جنوری ۱۸۹۲ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اہلِ لاہور پر اتمام حجت کی غرض سے لاہور کا سفر اختیار فرمایا۔ اور وہاں ایک لیکچر بھی دیا جو "لیکچر لاہور" کے نام سے مشہور ہے۔

★ یکم جنوری ۱۹۰۲ء کو رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کا بزبان انگریزی و اردو اجراء ہوا۔

★ ۲۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو کرم دین والے مقدمہ کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سفر جہلم اختیار فرمایا۔

★ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو مستقبل میں احمدیت کو روسی حکومت کا عصا ملنے کی بشارت اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی۔

★ جنوری ۱۹۰۶ء کو نظام الوصیت کے تنظم و نسق کو چلانے کے لئے صدر انجمن احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔

★ ۱۵ جنوری ۱۹۰۶ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایرانی حکومت کے عبرتناک زوال کے متعلق بایں الفاظ الہام ہوا۔

"تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد"

(یعنی کسریٰ کے محل میں تزلزل واقع ہو گیا) یہ الہام اڑھائی سال کے بعد حرف بہ حرف شاندار طور پر پورا ہوا۔

★ ۶ جنوری ۱۹۱۳ء کو حج بیت اللہ کا فریضہ انجام دینے کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے۔ اس سفر کے دوران آپؓ نے تبلیغ احمدیت کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے متعدد عرب ممالک کا دورہ بھی فرمایا۔

★ ۲۱ جنوری ۱۹۱۵ء کو خواجہ کمال الدین صاحب کے لیکچر "اندرونی اختلافات سلسلہ کے اسباب" کے جواب میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن میں ۷۸ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ بنام "القول الفصل" تصنیف فرمایا۔

★ ۲۹ جنوری ۱۹۴۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دیہاتی مبلغین یعنی معلمین کی سکیم کا آغاز فرمایا۔

(م-ک)